سرورِ کائنات ﷺ کے
پچاس (۵۰) صحابہ
رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین
طالب الہاشمی
البدر پبلی کیشنز
۲۳- راحت مارکیٹ اردو بازار- لاہور

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

کے

پچاس صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

طالب ہاشمی

- پچاس صحابہؓ کی پاکیزہ زندگی کے حالات
- صحیح واقعات و حالات پر مبنی تحقیق
- بے شمار کتب کا نچوڑ
- منفرد اندازِ تحریر
- دل میں اُتر جانے والا اسلوبِ نگارش

البدر پبلیکیشنز۔ ۲۳ ، راحت مارکیٹ۔ اُردو بازار۔ لاہور

طالب الہاشمی

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پچاس صحابہؓ
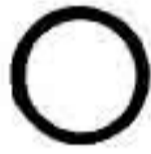
مؤلف : ——— طالب الہاشمی

ناشر : ——— البدر پبلی کیشنز ۲۳ راحت مارکیٹ اردو بازار۔ لاہور

مطبع : ——— میٹرو پرنٹرز، لاہور

بار اوّل : مئی ۱۹۸۵ء - بار دوم جنوری ۱۹۸۷ء - بار سوم : جنوری ۱۹۸۸ء

تعداد : ——— ۱۰۰۰ (ایک ہزار)

کتابت : ——— محمد حفیظ قریشی دھیڈوالی (ڈسکہ) سیالکوٹ

قیمت : ——— RS 180

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

اسمائے صحابہ کرامؓ بلحاظ حروفِ تہجی

صحابہ رضؓ سے محبت مجھ سے محبت کا تقاضا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی

حضرت عبداللہ بن مُغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "لوگو! میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو! میرے بعد ان کو ہدفِ تنقید نہ بنا لینا۔ (یاد رکھو!) جس نے اُن سے محبت رکھی تو اُن کی یہ محبت مجھ سے محبت کی وجہ سے ہے۔ اور جس نے اُن سے بغض رکھا، تو یہ گویا اس کو مجھ سے بغض ہے جس کا اظہار اُن سے بغض کے پردے میں کیا جا رہا ہے۔ اور (یاد رکھو) جس نے اُن کو اذیت پہنچائی اُس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی، بلا شبہ اس نے اللہ کو تکلیف دی۔ اور جو اللہ کو تکلیف دے گا۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کا مؤاخذہ فرمائے۔" ——— (جامع ترمذی)

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب کی تعظیم کرنا اور سب کو اچھائی سے یاد کرنا چاہیئے اور ان میں سے کسی کے بارے میں بھی بدگمان نہیں ہونا چاہیئے ـــــ ان کی منازعت کو دوسروں کی مصالحت سے بہتر قرار دینا چاہیئے۔ طریقِ فلاح و نجات یہی ہے اس لیے کہ ـــــ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے دوستی رکھنا ـــــ دوستی کی ہی وجہ سے ہے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بُغض رکھنا بُغضِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کھینچ کر لے جائے گا ـــــ

ـــــ ایک بزرگ فرماتے ہیں جس نے اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر نہیں کی، وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لایا۔

(حضرت مجدد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندیؒ)

مکتوبات

تعارف

از جناب خواجہ عابد نظامی صاحب

مدیر ماہنامہ "ضیائے حرم" لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مَنْ هُوَ الْهَاشِمِیُّ

جناب طالب ہاشمی سے میرا اوّلیں تعارف استاذی المکرم مولانا نعیم صدیقی صاحب کے توسط سے ہوا۔ یہ غالباً ۱۹۶۸ء کی بات ہے۔ میں مولانا صدیقی کی نگرانی میں "سیارہ ڈائجسٹ" کا قرآن نمبر مرتب کر رہا تھا کہ ایک روز مولانا نے فرمایا کہ ہاشمی صاحب سے بھی مل لیں، اُن کے پاس بعض بڑی نادر چیزیں ہیں۔ نادر چیزوں سے ان کی مراد قرآن مجید کے محاسن پر لکھے ہوئے معروف مصنفین کے مضامین تھے۔ میں انہی نادر چیزوں کی تلاش میں ہاشمی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پہلی ہی ملاقات میں مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ نادر چیزیں تو یقیناً اُن کے پاس بہت سی ہیں، لیکن حقیقت میں وہ خود ایک نادر الوجود شخصیت ہیں۔ اُن دنوں بھی وہ صحابۂ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی مبارک زندگیوں پر بڑی محنت، جانفشانی اور انہماک سے کام کر رہے تھے جس نے خاص طور پر مجھے بے حد متاثر کیا۔

۱۹۷۱ء میں "ماہنامہ ضیائے حرم" میرے سپرد ہوا، تو میں نے ہاشمی صاحب سے درخواست کی کہ وہ صحابۂ کرامؓ کی حیاتِ طیبات پر لکھے ہوئے اپنے مضامین ضیائے حرم کے لیے عنایت فرمائیں، محبت اور عنایت کا یہ سلسلہ اس وقت سے قائم ہے۔ اور یہ اُن کی عالی ظرفی اور وضعداری ہے کہ گزشتہ پندرہ سالوں میں یہ سلسلہ اُن کی

طرف سے ایک بار بھی منقطع نہیں ہوا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزا۔

صحابۂ کرامؓ پر لکھے ہوئے اُن کے مضامین کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ادارہ کی کسی مجبوری کے باعث اگر کسی مہینے اُن کا مضمون شائع نہیں ہوتا تو قارئین کے شکایت ناموں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو جاتا ہے گویا اُن کے مضامین کے بغیر قارئین رسالے میں ایک تشنگی سی محسوس کرتے ہیں۔

تاریخ اسلام پر جناب ہاشمی کی نظر بڑی گہری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مؤرخانہ بصیرت وصلاحیت سے نوازا ہے۔ انشاء اللہ تاریخ وسیرت پر لکھی ہوئی ان کی بلند پایہ کتابیں ہمیشہ زندہ و یادگار رہیں گی۔ انہوں نے تاریخ اسلام کی بعض نامور شخصیتوں مثلاً نورالدین زنگی، ملک شاہ سلجوقی، الملک الظاہر بیبرس، یعقوب المنصور اور بعض صوفیائے اسلام مثلاً شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت خواجہ اجمیریؒ، حضرت بابا فرید شکر گنجؒ پر بھی قابلِ قدر کتابیں لکھی ہیں، لیکن اب کئی سالوں سے وہ صرف صحابۂ کرامؓ کے حالات و واقعات پر تحقیقی کام کر رہے ہیں اور حق یہ ہے کہ حق ادا کر رہے ہیں۔

۱۹۷۸ء میں اُن کی کتاب "تیس پروانے شمع رسالتؐ کے" شائع ہوئی تو ملک بھر کے اہلِ علم کی نگاہیں اُن پر مرکوز ہو گئیں اور انہوں نے ہاشمی صاحب سے بڑی توقعات وابستہ کر لیں کیونکہ اُن کا کام نہایت دلچسپ، تحقیقی اور عام فہم تھا، جس کی اس وقت بڑی ضرورت ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہاشمی صاحب نے اپنے قدردانوں کو مایوس نہیں کیا اور اس سلسلے میں مسلسل کام کر رہے ہیں۔ اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ گزشتہ سات آٹھ سالوں میں صحابۂ کرامؓ و صحابیاتؓ پر اُن کی لکھی ہوئی کئی کتابیں (تیسؓ پروانے شمع رسالتؐ کے، تذکارِ صحابیاتؓ، خیر البشرؐ کے چالیس جاں نثار، رحمتِ دارینؐ کے سو شیدائیؓ، سیرت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، سیرت حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، سیرت حضرت ابو ایوب انصاریؓ اور یہ تیرے پُراسرار بندے وغیرہ) شائع ہو چکی ہیں اور اب یہ تازہ ترین تالیف "سرورِ کائناتؐ کے پچاس صحابہؓ" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

صحابۂ کرامؓ کے حالات یوں تو دوسری کتابوں میں بھی مل جاتے ہیں، مگر جناب طالب ہاشمی جس تحقیق و تفحص اور تفصیل کے ساتھ صحابہؓ کی سیرت قلم بند کرتے ہیں، وہ انہی کا حصہ ہے۔ ان اعاظم الرجال پر لکھتے ہوئے وہ صرف اردو کتابوں سے نہیں بلکہ اصل عربی کتابوں سے استفادہ کرتے ہیں، جو انتہائی عرق ریزی اور جاں سوزی کا کام ہے۔ پھر اُن کا اندازِ تحریر ایسا ہے کہ مطالعہ کے وقت قاری کی نظروں کے سامنے صاحبِ تذکرہ مجسّم آن کھڑا ہوتا ہے جس سے قاری کے دل و دماغ پر صاحبِ تذکرہ کی عالی نسبی، خدا ترسی، نیکی و شرافت، زہد و تقویٰ، شجاعت اور سرفروشی کے نقوش مرتسم ہو جاتے ہیں۔ یہ اعجاز ہے اُن کے اندازِ تحریر اور حسنِ بیان کا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اعلیٰ پایہ کا سیرت نگار اور مؤرخ بنانے کے ساتھ ساتھ صاحبِ طرز ادیب و انشا پرداز بھی بنایا ہے۔ یہ دو خوبیاں بیک وقت بہت کم لوگوں میں جمع ہوتی ہیں۔ اس سلسلے میں مولانا شبلی نعمانیؒ اور سید سلیمان ندویؒ کے بعد غالباً انہی کا نام لیا جا سکتا ہے۔ اِن کے اسلوبِ نگارش اور شگفتگیٔ زبان کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مولانا ماہر القادری مرحوم نے بالکل درست لکھا تھا کہ

"اُن کی زبان شگفتہ، قلم منجھا ہوا اور اسلوبِ نگارش بے حد دلچسپ، سادہ اور عام فہم ہے۔ اُن کے قلم اور دل و دماغ میں کوئی ژولیدگی نہیں۔ انہوں نے سلجھی ہوئی طبیعت پائی ہے۔ اس لیے ان کی تحریر میں بھی سلجھاؤ پایا جاتا ہے۔ جہاں "اطناب" ہے، وہاں قاری اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا اور جہاں ایجاز ہے وہاں طبیعت گھٹن اور انقباض کی بجائے انشراح و انبساط محسوس کرتی ہے۔"

طالب ہاشمی صاحب پر ہمہ وقت کام کی دُھن سوار رہتی ہے۔ اُن سے جب بھی ملاقات ہو وہ کسی نہ کسی صحابیٔ رسولؐ کے حالات میں مصروفِ تحقیق نظر آتے ہیں اور اس حقیقت سے تو میں ذاتی طور پر واقف ہوں کہ وہ ہر صحابیؓ کے حالات لکھتے وقت بے پناہ محنت اور مطالعہ کرتے ہیں، اور بسا اوقات ایک شخصیت پر لکھنے کے لیے

اس قدر تحقیق و جستجو سے کام لیتے ہیں کہ اس پر ہفتوں بلکہ مہینوں صرف کر دیتے ہیں۔ وہ ہر صحابیٔ رسول پر اپنی تحقیق اس وقت تک جاری رکھتے ہیں جب تک اپنے تئیں اس پر مطمئن نہ ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر ایسے صحابۂ کرامؓ جن کا تذکرہ دوسری کتابوں میں صرف چند سطور سے زیادہ نہیں ملتا، ہاشمی صاحب کے ہاں اُن کے بارے میں صفحوں کے صفحے مل جاتے ہیں۔

ہاشمی صاحب سے پہلے اردو زبان میں صحابۂ کرامؓ پر جس قدر بھی کام ہوا ہے، وہ مختلف اداروں اور تنظیموں کے توسط سے ہمارے سامنے آیا ہے جنہیں حکومت اور مخیر حضرات کی سرپرستی بھی حاصل رہی، لیکن جناب ہاشمی تن تنہا بغیر کسی سرکاری یا نجی معاونت کے یہ عظیم علمی و تاریخی کارنامہ انجام دے رہے ہیں اور مجھے یہ کہنے میں بھی مطلق باک نہیں کہ ان کا علمی و تحقیقی کام بیشتر اداروں اور اکیڈمیوں کے کاموں پر بھاری ہے۔

صحابۂ کرامؓ کی سیرت پر دارالمصنفین (بھارت) نے بڑا کام کیا ہے، جس کے لیے وہ بجا طور پر ملتِ اسلامیہ کی طرف سے شکریے کے مستحق ہیں، لیکن میں نہایت ادب سے عرض کروں گا کہ اس ادارے کا کام من حیث المجموع بلند پایہ اور قابلِ قدر ہونے کے اغلاط سے پاک نہیں۔ بعض چھوٹی موٹی اور کتابت کی غلطیوں کے علاوہ واقعاتی غلطیاں بھی ان کی کتابوں میں موجود ہیں، لیکن جناب ہاشمی تمام حالات و واقعات پوری طرح چھان پھٹک اور تحقیق کے بعد لکھتے ہیں۔ کتابت کی غلطیاں بھی اُن کی کتابوں میں بہت کم ہیں کیونکہ وہ اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ کتاب کی پروف ریڈنگ کسی عام اردو خواں کے بجائے کسی اہلِ علم و فضل سے کرائیں۔

صحابۂ کرامؓ کے ناموں کے سلسلے میں اردو خواں حضرات کو عموماً بڑی دشواری پیش آتی ہے۔ بظاہر پڑھے لکھے حضرات بھی صحابۂ کرامؓ کے اسمائے گرامی درست اور صحیح اعراب کے ساتھ ادا نہیں کرتے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر اکثر اس کا اعادہ ہوتا رہتا ہے، لیکن جناب ہاشمی نے اپنی کتابوں میں صحابۂ کرامؓ کے اسمائے گرامی

پر اعراب لگا کر عام اردو خواں حضرات اور بالخصوص نئی نسل پر بڑا احسان کیا ہے۔ انشاء اللہ اس کے مطالعہ کے بعد وہ گفتگو کے دوران صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی صحیح اور درست بولیں گے۔

طالب ہاشمی صاحب کی یہ تازہ ترین تالیف "سرورِ کائناتؐ کے پچاس صحابہؓ" بھی ان کی تحقیق انیق کا بہترین نمونہ ہے۔ جس سے عوام ہمیشہ مستفیض ہوتے رہیں گے اور اہلِ قلم بطور کتابِ حوالہ اس سے استفادہ کرتے رہیں گے۔ میری دلی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں طویل اور صحت مند عمر عطا فرمائے تاکہ اصحابِ رسولؐ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) پر اپنی مستند، وقیع اور ضخیم کتابیں اسی طرح قوم کے سامنے پیش کرتے رہیں۔ آمین

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

عابد نظامی

لاہور ــــــ مورخہ ۴ مارچ ۱۹۸۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفے چند

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

میرے جسم کا رُواں رُواں اپنے خالق و مالک کا شکریہ ادا کر رہا ہے کہ اس ذاتِ بے ہمتا نے مجھ جیسے بندۂ حقیر کو اپنے اُن برگزیدہ بندوں کے نقوشِ سیرت اجاگر کرنے کی توفیق بخشی جو آسمانِ ہدایت کے روشن ستارے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے بعد جن سے بہتر کسی انسان پر آفتاب طلوع نہیں ہوا۔ زیرِ نظر کتاب پچاس صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے تذکارِ جمیل پر مشتمل ہے اور یہ تذکارِ صحابہؓ و صحابیاتؓ کے سلسلہ کی آٹھویں کڑی ہے۔ اس سے پہلے اس موضوع پر جو کتابیں پیش کرنے کی سعادت اللہ تعالیٰ نے مجھے نصیب فرمائی اُن کے نام یہ ہیں:

(۱) تذکارِ صحابیاتؓ
(۲) تیئس۲۳ پروانے شمعِ رسالتؐ کے
(۳) خیر البشرؐ کے چالیس۴۰ جاں نثارؓ
(۴) رحمتِ دارینؐ کے سو شیدائیؓ
(۵) سیرت حضرت سعدؓ بن ابی وقاص
(۶) سیرت حضرت ابو ایوب انصاری
(۷) سیرت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ

ان کے علاوہ میری تالیف "یہ تیرے پُراسرار بندے" میں بھی ۵۲ صحابۂ کرامؓ

کے تذکار شامل ہیں۔

میں اس کتاب کے دیباچہ میں جو کچھ لکھنا چاہتا تھا وہ ایک الگ مضمون "قرآن کریم اور عظمت صحابہؓ" میں لکھ دیا ہے جو اس کتاب میں شامل ہے۔ یہاں صرف اتنی گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ بعض صحابۂ کرامؓ کے حالات لکھتے وقت "مشاجرات صحابہؓ" کا تذکرہ ناگزیر تھا۔ اس بارے میں میرا مسلک "کفِ لسان" کا ہے۔ اس لیے جہاں بھی مشاجرات کا ذکر آیا ہے میں نے بڑی احتیاط اور اختصار سے کام لیا ہے، پھر بھی میری تحریر کے کسی پہلو سے قارئین کرام کو اختلاف ہو تو وہ اسے نظرانداز کر دیں اور جو بات ان کی تحقیق اور صوابدید کے مطابق صحیح ہو اسے اختیار کریں۔ البتہ یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے عقیدے اور مسلک کے مطابق صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں حسنِ ظن سے کام لینا چاہیے۔ سب کا بلا تخصیص احترام کرنا چاہیے اور کسی صورت میں بھی ان پر زبانِ طعن دراز نہیں کرنی چاہیے۔ اگر لاشعوری طور پر میرے قلم سے کوئی ناروا بات نکل گئی ہو تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہوں اور قارئینِ کرام سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ وہ میری لغزشِ قلم کو معاف فرما دیں اور میرے تسامحات سے مجھے آگاہ فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

میں اپنے محترم دوست خواجہ عابد نظامی صاحب مدیر ضیائے حرم لاہور کا صمیم قلب سے شکرگزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کا تعارف لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی۔ خواجہ صاحب نے اس تعارف میں مؤلف کے بارے میں جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے یہ ان کی ذرہ نوازی ہے ورنہ ناچیز مؤلف کسی درجے میں بھی ان کا مستحق نہیں۔ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کو اس حسنِ ظن کے لیے اجرِ جزیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

راجیٔ غفرانِ وشفاعت
طالب الہاشمی

۳۔ ای پی اینڈ ٹی کالونی
ملتان روڈ۔ لاہور
۲۵ر فروری ۱۹۸۵ء

قرآنِ حکیم اور عظمتِ صحابہؓ

جس طرح سرورِ کائنات رحمتِ عالم فخرِ موجودات خیر الخلائق ختمی مرتبت جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی تمام کمالات وصفات کی جامع اور انسانیت کی معراج ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سیرت وکردار کے اعتبار سے اتنے ارفع واعلیٰ مقام پر فائز ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو چھوڑ کر آج تک ان سے بہتر کسی انسان پر آفتاب طلوع نہیں ہوا۔ یہ وہ نفوسِ قدسی تھے جنھوں نے خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں آرا سے اپنی آنکھیں روشن کیں۔ صاحبِ خُلقِ عظیم پر صدقِ دل سے ایمان لائے، آپؐ سے براہ راست صحبت و استفاضہ کا شرف حاصل کیا اور آپؐ کے اُسوۂ حسنہ کو اپنی زندگی کا شعار بنایا۔ یہ آسمان ہدایت کے وہ روشن ستارے تھے جن کے صدق واخلاص، دیانت وامانت، خیر وایثار اور زہد واتقا کی قسم کھائی جا سکتی ہے۔ ان کے نفسِ گرم سے آج تک فوز وسعادت کے چراغ روشن ہیں۔ تہذیب وتمدن کی زلفوں کو انھوں نے سنوارا۔ سیاست و معیشت کے چہرے کو انھوں نے نکھارا، جہالت کے اندھیروں اور کفر وشرک کی ظلمتوں میں انھوں نے ہدایت کی شمعیں روشن کیں۔ اللہ کا نام بلند کرنے کے لیے جان مال اولاد جس شے کی ضرورت پڑی حاضر کر دی۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کوئی شخص تم میں سے مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسے میرے ساتھ ماں باپ اولاد اور باقی سب لوگوں سے بڑھ کر محبت نہ ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تصدیق آپؐ کے صحابۂ کرامؓ نے

اپنے عمل سے جس طرح کی، تاریخِ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ شمعِ رسالت کے ان پروانوں نے راہِ حق میں جو مصائب و آلام برداشت کیے، ان کا حال پڑھ کر جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ ان پروانوں کی دلسوزی اور جانگدازی کی عجیب شان تھی۔ دینِ حنیف کی ترویج واشاعت اور پرچمِ حق کی سربلندی کے لیے انہوں نے زندگی کے ہر میدان میں وہ قربانیاں دیں کہ ان کا اجتماعی و انفرادی کردار قیامت تک تمام فرزندانِ توحید کے لیے مشعلِ راہ بن گیا۔ ان قدسی صفات انسانوں نے رضائے الٰہی کی خاطر ماں باپ کو چھوڑا، اہل وعیال سے جدائی اختیار کی، قبیلے اور وطنِ عزیز کو خیر باد کہا، گھر بار لٹایا، فاقے سہے، ہر قسم کی جسمانی اذیتیں برداشت کیں یہاں تک کہ ضرورت پڑنے پر راہِ حق میں اپنی جانوں تک کا نذرانہ پیش کر دیا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی نہیں، آپؐ کے وصال کے بعد بھی صحابہ کرامؓ نے اللہ کے دین کی جس درد مندی اور خلوص کے ساتھ خدمت، حفاظت اور اشاعت کی اس کا اعتراف ہمارے ایمان کا تقاضا ہے۔ یہ نفوسِ قدسیہ اُمتِ اسلامیہ کے محسنین ہیں اور یہ اُمت ان کے احسانات کے بارِ گراں سے تاابد سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ کسی نبی اور رسول کو حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی طرح جاں نثار حواری اور ساتھی نہیں ملے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر صحابی اپنی ذات میں آیتِ الٰہی تھا۔ کتاب اللہ اور سُنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہی عظیم رجال کار کے واسطہ سے ہم تک پہنچی ہے۔ ان کے نقوشِ سیرت، دینی جذبہ اور قوتِ ایمانی کے ایسے قوی سرچشمے ہیں جن کی بدولت یہ اُمت فوز و فلاح کے راستہ پر گامزن ہو سکتی ہے۔ آسمانِ صداقت کے یہ وہ روشن ستارے ہیں جنھیں دیکھ کر اُمت کے سفینہ کے لیے منزلِ مقصود کا رُخ متعین کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ان پاکباز اور برگزیدہ بندوں کا جذبۂ ایثار و فدویت بارگاہِ خداوندی میں اتنا پسند آیا کہ قرآنِ پاک میں جگہ جگہ ان کے اوصاف بیان کیے گئے، ان کی تعریف و تحسین کی گئی اور کھلے لفظوں میں ان کو جنّت کی بشارت دی گئی۔ جب رَبِّ ذوالجلال والاکرام

مقصود مطلب رسول کی شان بیان کرنا ہو تو پھر ان نفوسِ قدسی کی عظمت کے ثبوت
کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ آئیے دیکھیں کہ قرآن حکیم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے
اوصاف، ان کے مقام و مرتبہ اور ان کی عظمت کس طرح بیان کرتا ہے۔ سورۂ فتح
میں ارشاد ہوتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ
تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ
فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ٻوَمَثَلُهُمْ
فِي الْاِنْجِيْلِ ۾ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى
عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝

(سورۂ فتح آیت: ۲۹)

"محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں
رحم دل ہیں۔ تم جب دیکھو گے انہیں رکوع و سجود اور اللہ کے فضل اور اس کی
خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجدوں کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن
سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔ یہ ہے ان کی صفت توراۃ میں اور انجیل میں ان
کی مثال یوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی پھر اس کو
تقویت دی، پھر وہ گدرائی، پھر اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی۔ کاشت کرنے والوں
کو وہ خوش کرتی ہے تاکہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں۔ اس گروہ کے جو لوگ
ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، اللہ نے ان سے مغفرت اور
بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔"

ان آیات میں صحابہ کرام کے تین اوصاف خصوصیت سے بیان کیے گئے ہیں،
کفار پر سخت، آپس میں رحیم، اتنے عبادت گزار کہ سجدوں کے اثرات ان کے
چہروں پر نمایاں — کفار پر سخت ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کافروں کے ساتھ

تلخی اور درشتی سے پیش آتے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کافروں کے مقابلہ میں پتھر کی چٹان کا حکم رکھتے ہیں۔ کوئی دھمکی، سختی، دباؤ یا ترغیب و تحریص انہیں راہِ حق سے برگشتہ نہیں کر سکتی۔ وہ تو اپنے آقا و مولا کی حمایت میں کافروں کے خلاف سر دھڑ کی بازی لگا دینے والے لوگ ہیں۔

آپس میں رحیم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (اور مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں) کی تصویر بن گئے ہیں۔ ایک دوسرے کے ہمدرد اور غمگسار ہیں۔ ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں، خوش کلام اور خندہ رو ہیں، ایک دوسرے سے مشورہ کرتے ہیں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کا خون اپنے اوپر حرام سمجھتے ہیں، قطع رحمی، ظلم، انتقام، بدعہدی، بدگمانی، تہمت طرازی، تمسخر اور فتنہ و فساد سے اجتناب کرتے ہیں۔ ان کے آپس میں رحیم ہونے یا جذبۂ اخوت کی انتہا یہ تھی کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تو حضرت سعدؓ بن ربیع انصاری کے ہاں قیام کیا۔ حضرت سعدؓ کی دو بیویاں تھیں، انہوں نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے کہا کہ میرا تمام مال و اسباب آپ نصف بانٹ لیں یہاں تک کہ میں اپنی ایک بیوی کو طلاق دے دیتا ہوں۔ عدت کے بعد آپ اس سے نکاح کر لیجئے گا۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کے دل میں بھی وہی جذبۂ اُخوت موجزن تھا جو حضرت سعدؓ کے دل میں تھا، انہیں اپنے بھائی کو اس آزمائش میں ڈالنا گوارا نہ ہوا، ان کے جذبۂ اخوت کو سراہا اور کہا، اللہ تعالیٰ تمہارے مال اور اولاد میں برکت دے اور تم پر اپنی رحمت نازل کرے، مجھے اور کچھ نہیں چاہیے صرف اتنا بتا دو کہ بازار کا راستہ کدھر ہے، میں تجارت کر کے اپنی روزی کما لوں گا۔

سجدوں کے اثرات سے مراد پیشانی کا وہ گٹہ نہیں ہے جو سجدے کرنے کی وجہ سے اکثر نمازیوں کے ماتھے پر پڑ جاتا ہے بلکہ اس سے مراد خشیتِ الٰہی، تواضع، صداقت شرافت اور حسنِ اخلاق کے وہ آثار ہیں جو اللہ کے آگے جھکنے کی وجہ سے آدمی کے

چہرے پر نمایاں ہو جاتے ہیں۔ ایک مغرور، بدکردار، اور بے حیا آدمی کا چہرہ ایک شریف پاکباز اور منکسر المزاج آدمی کے چہرے سے یقیناً مختلف ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم نے صحابہ کرامؓ کی یہ شان بیان کی ہے کہ ان کے چہرے خدا پرستی کے نور سے تاباں ہوتے ہیں۔ یہ وہ شان ہے جس کے متعلق امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جب صحابہ کرام کے لشکر سرزمینِ شام میں داخل ہوئے تو وہاں کے عیسائی کہتے تھے کہ مسیح علیہ السلام کے حواریوں کی جو شان ہم نے کتابوں میں پڑھی ہے یا اپنے علماء سے سنی ہے عرب سے آنے والے ان لوگوں میں وہی شان نظر آتی ہے۔

سورۂ الانفال میں صحابہ کرامؓ کے یہ اوصاف بیان کیے گئے ہیں:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ (آیات ۲-۳-۴)

"ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ کا نام آئے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان کے سامنے اللہ کا کلام پڑھا جائے تو ان کا ایمان زیادہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسا رکھتے ہیں۔ وہ لوگ جو نماز کو قائم رکھتے ہیں اور ہم نے ان کو جو روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں وہی سچے ایمان والے ہیں ان کے لیے اپنے رب کے پاس درجے ہیں نیز مغفرت اور عزت کی روزی بھی۔"

سورۂ "التوبہ" میں ارشاد ہوا ہے:

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ (آیت: ۷۱)

"اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، نیک بات سکھلاتے ہیں اور بُری بات سے منع کرتے ہیں اور قائم رکھتے ہیں۔ نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا، بے شک اللہ زبردست ہے حکمت والا۔"

گویا صحابۂ کرامؓ کی شان یہ ہے کہ ان کے دل خوفِ خدا سے لبریز ہوتے ہیں، ان کے سامنے قرآن حکیم کی آیات پڑھی جائیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے (برعکس کفار کے کہ جب ان کے سامنے کلامِ الٰہی پڑھا جاتا تھا تو وہ اس کا تمسخر اڑاتے تھے)۔ وہ اپنے خالقِ حقیقی پر بھروسا رکھتے ہیں۔ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور اپنی حلال کمائی سے اللہ کی راہ میں بے دریغ خرچ کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ نیکی کی تلقین کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں نماز پڑھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے حکم پر چلتے ہیں۔" سورۃ التوبہ " میں ایک اور جگہ مہاجرین و انصار صحابہؓ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی اور رضامندی کی بشارت ان الفاظ میں دی ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ

(سورۂ توبہ آیت ۱۰۰)

" وہ مہاجر و انصار، جنہوں نے سب سے پہلے دعوتِ ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی، نیز وہ جو بعد میں راستبازی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوا، اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔"

اسی سے ملتا جلتا مضمون سورۂ الانفال میں بھی ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۭ (آیات: ۷۴-۷۵)

"جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جدوجہد کی اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی وہی سچے مومن ہیں۔ ان کے لیے خطاؤں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کر کے آ گئے اور تمہارے ساتھ مل کر جدوجہد کرنے لگے وہ بھی تم ہی میں شامل ہیں۔"

ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے ان مہاجرین و انصار کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اسلام قبول کرنے میں سبقت کی اور یوں "السَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ" کے عظیم الشان لقب کے مستحق ٹھہرے۔ "السَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ" یعنی قدیم الاسلام صحابہ کرامؓ کو یہ مقام و مرتبہ عطا ہوا کہ نہ صرف خود ان سے جنّت کا وعدہ کیا گیا بلکہ ان کے نقشِ قدم پر چل کر سعادت اندوزِ اسلام ہونے والے صحابہؓ کو بھی جنّت کی بشارت دی گئی۔ مہاجر سابقین اوّلین میں وہ صحابہ کرامؓ شامل ہیں جو بعثتِ نبوی کے ابتدائی سالوں میں، سخت نامساعد حالات میں مشرف بہ ایمان ہوئے۔ اور راہِ حق میں زہرہ گداز مصائب و آلام برداشت کیے، یہاں تک کہ اپنا گھر بار تک چھوڑ دیا۔ ان کی یہی قربانیاں تھیں جنہوں نے بارگاہِ ربّ العزت میں درجۂ قبولیت پایا اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سچے مومن اور جنتی قرار پائے۔ راہِ حق میں ان کی عدیم المثال قربانیوں کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بعثت کے ابتدائی تین سالوں میں نہایت رازداری کے ساتھ فریضۂ تبلیغ ادا فرماتے رہے۔ چوتھے سالِ بعثت کے آغاز میں فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (احکامِ خداوندی برملا سنائیے اور مشرکین کی پروا نہ کیجیے) کا حکم نازل ہوا اور اس کے مطابق سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے علانیہ

تبلیغِ حق کا آغاز فرمایا تو مشرکینِ مکّہ کے قہر وغضب کا آتش فشاں پوری قوت سے پھٹ پڑا۔ دعوتِ توحید قبول کرنے والے اصحاب پر انہوں نے ایسے ایسے لرزہ خیز مظالم ڈھائے کہ انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی۔

حضرت بلال حبشیؓ مکّہ کے ایک مشرک رئیس اُمیّہ بن خلف کے غلام تھے اسلام کی منادی سنتے ہی صدقِ دل سے ایمان لے آئے۔ اُمیّہ کو ان کے مسلمان ہونے کی خبر ملی تو فرطِ غضب میں آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے قبولِ حق کے جرم میں حضرت بلالؓ کے لیے طرح طرح کے عذاب ایجاد کیے۔ ان کی گردن میں رسی باندھ کر شریر لڑکوں کے ہاتھ میں تھما دیتا اور وہ ان کو مکّہ کی پہاڑیوں میں گھسیٹتے پھرتے، پھر جلتی ہوئی ریت پر لا کر اوندھے منہ لٹا دیتے اور ان پر پتھروں کا ڈھیر لگا دیتے۔ شاعرِ دربارِ رسالت حضرت حسانؓ بن ثابت انصاری سے روایت ہے کہ میں زمانۂ جاہلیت میں حج (یا عمرے) کے لیے مدینہ سے مکّہ گیا تو دیکھا کہ لڑکوں نے بلالؓ کو ایک رسی سے باندھ رکھا ہے اور اِدھر اُدھر گھسیٹ رہے ہیں لیکن وہ کہے جا رہے ہیں کہ میں لات وعُزّٰی اور ہبل اور اساف اور نائلہ اور بوانہ (بتوں اور دیوی دیوتاؤں کے نام) سب کا انکار کرتا ہوں۔

کبھی کبھی اُمیّہ خود حضرت بلالؓ کو گھر سے نکال کر لے جاتا اور حرّہ کی جلتی ہوئی بالو پر لٹا کر ایک بھاری پتھر ان کے سینے پر رکھ دیتا تاکہ جنبش نہ کر سکیں، پھر کہتا کہ محمدؐ کی پیروی سے باز آجا اور لات وعُزّٰی کے معبودِ برحق ہونے کا اقرار کر لے ورنہ اسی طرح پڑا رہے گا اس کے جواب میں شیدائے حق حضرت بلالؓ کی زبان سے اَحَدٌ اَحَدٌ کی آواز نکلتی تھی۔ مشہور صحابی حضرت عمروؓ بن العاص سے روایت ہے کہ میں نے بلالؓ کو اس حالت میں دیکھا کہ امیّہ نے ان کو ایسی سخت تپتی ہوئی زمین پر لٹا رکھا تھا کہ جس پر گوشت رکھ دیا جاتا تو وہ گل جاتا مگر وہ اس حالت میں بھی کہہ رہے تھے کہ میں لات وعُزّٰی کا انکار کرتا ہوں۔

کسی کسی دن بنو جمح کے لونڈے حضرت بلالؓ کو بُری طرح مارتے پیٹتے،

دن کے وقت ان کے کپڑے اتروا کر لوہے کی زرہ پہناتے اور دھوپ میں ڈال دیتے۔ شام کو ہاتھ پاؤں باندھ کر ایک کوٹھڑی میں پھینک دیتے اور رات کو انہیں تازیانے رسید کرتے رہتے لیکن کیا مجال کہ ان کے قدم جادۂ حق سے ڈگمگا جائیں، زبان سے اَحَدٌ اَحَدٌ کے سوا کچھ نہ نکلتا۔

ابوفکیہہ یسار ازدیؓ بھی امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا تو اُمیّہ نے انہیں بھی اپنی مشقِ ستم کا نشانہ بنا لیا۔ تپتی ہوئی ریت پر انہیں منہ کے بل لٹا دیتا اور پیٹھ پر ایک وزنی پتھر رکھ دیتا وہ ہولناک گرمی اور بوجھ کی وجہ سے بے ہوش ہو جاتے۔ ایک دن شقی القلب امیہ نے حضرت ابوفکیہہؓ کے دونوں پاؤں میں رسی باندھی اور انہیں بری طرح گھسیٹتا ہوا باہر لے گیا وہاں انہیں تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیا اور پھر اس زور سے ان کا گلا دبایا کہ ان کی زبان باہر نکل پڑی اور وہ بالکل بے حس وحرکت ہو گئے۔ اُمیّہ نے سمجھا کہ ختم ہو گئے لیکن ابھی ان میں زندگی کی رمق باقی تھی۔ حسنِ اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ادھر سے گزر ہوا۔ انہوں نے حضرت ابوفکیہہؓ کی دردناک بلاکشی کا منظر دیکھا تو دل بھر آیا اور اسی وقت حضرت ابوفکیہہؓ کو اُمیّہ سے خرید کر آزاد کر دیا۔ لیکن اس زمانے میں کفار کے جور و تعدّی سے نہ کوئی آزاد مسلمان محفوظ تھا نہ کوئی غلام۔ حضرت ابوفکیہہؓ آزاد ہونے کے باوجود کفار کے مظالم کا نشانہ بنے رہے یہاں تک کہ ۶ ؁ بعدِ بعثت میں ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ راہِ حق میں مصیبتیں جھیلتے جھیلتے صحت بگڑ گئی تھی غزوۂ بدر سے کچھ عرصہ پہلے پیکِ اجل کو لبیک کہا۔

رئیسِ قریش سہیل بن عمرو کے سعید الفطرت فرزندوں حضرت ابوجندلؓ اور حضرت عبداللہؓ نے اوائلِ بعثت میں اسلام قبول کیا تو باپ اس قدر غضبناک ہوا کہ اس نے دونوں بیٹوں کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر قید خانے میں ڈال دیا جہاں وہ سالہا سال تک قید و بند کی مصیبتیں جھیلتے رہے۔

حضرت یاسرؓ بن عامر، ان کی اہلیہ حضرت سمیہؓ بنتِ خباط اور دو فرزندوں

عبداللہؓ اور عمارؓ نے قبولِ حق کی سعادت حاصل کی تو ابوجہل نے انہیں ایسی اذیتیں پہنچائیں کہ ان کا حال پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ انہیں پانی میں غوطے دیتا، گرم ریت اور دہکتے انگاروں پر لٹاتا، مکہ کی چلچلاتی دھوپ میں پہروں کھڑا رکھتا۔ کوڑوں سے پیٹتا۔ غرض اس نے شقاوت کی انتہا کر دی۔ ایک دن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سخت مار کھاتے اور سزائیں سہتے دیکھا تو فرمایا۔ "اے یاسر کے خاندان والو! صبر سے کام لو بلاشبہ تمہارا مقام جنت ہے۔"
ظالم ابوجہل نے ایک دن حضرت سمیہؓ کے پوشیدہ نازک مقام پر اس زور سے نیزہ مارا کہ وہ جاں بحق ہو گئیں۔ پھر ایک دن اس بدبخت نے حضرت عبداللہؓ کو تیر مار کر شہید کر ڈالا۔ حضرت یاسرؓ بھی ضعیف العمری کے عالم میں مصیبتیں جھیلتے جھیلتے وفات پا گئے۔ حضرت عمارؓ کی زندگی باقی تھی بچ گئے ورنہ ابوجہل نے انہیں بھی مارنے کے لیے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

حضرت زبیرؓ بن العوام حلقہ بگوشِ ایمان ہوئے تو ان کا سرپرست چچا نوفل بن خویلد غم و غصہ سے دیوانہ ہو گیا۔ حافظ ابنِ کثیرؒ نے "البدایہ والنہایہ" میں بیان کیا ہے کہ نوفل حضرت زبیرؓ کو چٹائی میں لپیٹ دیتا پھر آگ سلگا کر اس کی دھونی دیتا اور حضرت زبیرؓ سے کہتا، اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ آ۔ لیکن زبیرؓ ہر بار یہی کہتے "ہرگز نہیں، ہرگز نہیں اب میں کبھی کفر اختیار نہ کروں گا۔"

حضرت مصعبؓ بن عمیر بنو عبدالدار کے ایک خوشحال گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ مکہ میں ان جیسا شکیل سجیلا اور خوش پوش نوجوان کوئی نہیں تھا۔ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ کپڑے پہنتے اور عمدہ سے عمدہ خوشبویات استعمال کرتے تھے۔ جس گلی سے گزر جاتے وہ گلی مہک جاتی تھی۔ ان کے ایک جوڑے کی قیمت دو دو سو درہم تک ہوتی تھی۔ پاؤں میں زری حضرمی جوتا ہوتا تھا، والدین کے یہ لاڈلے نوجوان اپنے وقت کا بیشتر حصہ اپنی تزئین و آرائش اور خوبصورت زلفوں کو سنوارنے پر صرف کرتے تھے تاہم اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ اوائلِ بعثت

میں جونہی صدائے توحید کانوں میں پڑی بلا تامل اس پر لبیک کہا۔ گھر والوں کو خبر ملی تو اسلام لانے کے جرم میں ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر قید تنہائی میں ڈال دیا لیکن انہوں نے کسی صورت میں راہِ حق سے منہ موڑنا گوارا نہ کیا۔ آخر انہیں گھر سے نکال دیا گیا اور وہ ۵ سنہ بعدِ بعثت میں حضورؐ کے ایماء پر ہجرت کر کے حبش چلے گئے وہاں سے واپس آئے تو ابتلا اور مصیبتوں نے سارا رنگ روپ ختم کر دیا تھا حریر و قاقم کے بجائے ایک کمبل آدھا باندھے اور آدھا اوڑھے ہوئے نظر آتے تھے جیسے اگلی طرف سے ببول کے کانٹوں سے اٹکاتے تھے۔ ۱۲ سنہ بعدِ بعثت میں حضورؐ نے انہیں اسلام کا معلّمِ اوّل بنا کر مدینہ منورہ بھیجا جہاں وہ بڑی تندہی سے اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ ۳ سنہ ہجری میں غزوۂ اُحد میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی تو حضورؐ کو سخت صدمہ پہنچا۔ آپؐ ان کی لاش کے قریب کھڑے ہو گئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝

(سورۂ احزاب: آیت ۲۳)

"مؤمنین میں سے کتنے ہی ایسے شخص ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کیا اسے سچ کر دکھایا۔ بعض ان میں سے اپنی نذر (مدت) پوری کر چکے ہیں اور بعض ابھی انتظار کر رہے ہیں اور اپنے ارادہ میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا۔"

اس کے بعد آپؐ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا:-

"میں نے مکہ میں تمہارے جیسا حسین اور خوش لباس اور کوئی نہ دیکھا تھا لیکن آج میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے بال گرد آلود اور الجھے ہوئے ہیں اور تمہارے جسم پر ایک چادر ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گے۔"

حضرت خبابؓ بن الارتؓ نے اسلام قبول کیا تو کفار نے ان پر ہولناک مظالم

ڈھانے شروع کر دیئے۔ وہ ان کے کپڑے اتروا کر دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹاتے اور سینہ پر بھاری پتھر رکھ دیتے۔ کبھی انگاروں پر لٹا کر ایک قوی ہیکل آدمی ان کے سینے پر بیٹھ جاتا تاکہ کروٹ نہ بدل سکیں۔ خبابؓ نہایت صبر و استقامت کے ساتھ ان انگاروں پر کباب ہوتے رہتے یہاں تک کہ زخموں سے خون اور پیپ رس رس کر ان انگاروں کو ٹھنڈا کر دیتے۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ خبابؓ ایک قسیّ القلب عورت اُمِّ انمار کے غلام تھے۔ وہ انہیں قبولِ اسلام کے جرم میں کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں لٹاتی اور کبھی تپتے ہوئے لوہے سے ان کا سر داغا کرتی۔ حضرت خبابؓ کو اسی طرح کے لرزہ خیز مظالم سہتے سہتے ایک مدت گزر گئی تو ایک دن فریاد لے کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضورؐ اس وقت کعبہ کی دیوار کے سائے میں ردائے مبارک سر کے نیچے رکھے ہوئے لیٹے تھے۔ حضرت خبابؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ آپ اللہ پاک سے ہمارے لیے دُعا کیوں نہیں کرتے؟" یہ سن کر حضورؐ سنبھل کر بیٹھ گئے۔ آپؐ کا چہرۂ اقدس سرخ ہو گیا اور آپؐ نے فرمایا:

"تم سے پہلے گزشتہ زمانہ میں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں کہ لوہے کی کنگھیوں سے ان کا گوشت نوچ ڈالا گیا۔ سوائے ہڈیوں اور پٹھوں کے کچھ نہ چھوڑا گیا۔ ایسی سختیوں نے بھی ان کا دین پر اعتقاد متزلزل نہ کیا۔ ان کے سروں پر آرے چلائے گئے۔ چیر کر بیچ میں سے دو کر دیئے گئے تاہم دین کو نہ چھوڑا۔ اللہ اس دین کو ضرور کامیاب کرے گا اور تم دیکھ لو گے کہ اکیلا سوار صنعاء (یمن) سے حضر موت تک جائے گا اور سوائے اللہ عزّوجلّ کے کسی سے نہیں ڈرے گا۔"

حضورؐ کے ارشادات سن کر حضرت خبابؓ منشائے خداوندی سمجھ گئے اور خاموشی سے واپس چلے گئے۔ علامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت خبابؓ سے اپنی داستانِ مصائب سنانے کی فرمائش

کی۔ انہوں نے امیر المؤمنینؓ کو کپڑا اٹھا کر اپنی پشت دکھائی تو وہ حیران رہ گئے۔ ساری پشت اس طرح سفید تھی جیسے کسی مبروص کی جلد ہوتی ہے۔ حضرت خبابؓ نے بتایا:-

"امیر المؤمنین آگ دہکا کر مجھے اس پر لٹایا جاتا تھا یہاں تک کہ میری پشت کی چربی اس کو بجھا دیتی تھی۔"

حضرت ابو ذر غفاریؓ نے اپنے وطن سے مکہ آکر قبولِ حق کا اعلان کیا تو مشرکین چاروں طرف سے ان پر لوٹ پڑے اور مار مار کر لہولہان کر دیا۔ اگر حضرت عباسؓ آکر انہیں نہ چھڑاتے تو بس اس دن ان کا خاتمہ تھا۔

حضرت عثمانؓ بن مظعون جمحیؓ نے ساقیٔ کوثرؐ کے دستِ مبارک سے بادۂ توحید پیا تو مشرکین نے انہیں طرح طرح کے جور و ستم، تضحیک، استہزا اور معاشی بائیکاٹ کا نشانہ بنا لیا یہاں تک کہ انہیں اپنا گھر بار چھوڑ کر حبش کی غریب الوطنی اختیار کرنی پڑی۔

حضرت عبد اللہؓ بن مسعود نے قبولِ اسلام کے بعد مشرکین کے سامنے قرآنِ پاک کی تلاوت کی تو ان ظالموں نے حضرت عبد اللہؓ کو اس قدر مارا کہ ان کا چہرہ متورم ہوگیا اور جسم کے کئی حصوں سے خون بہہ نکلا لیکن جوشِ ایمانی کا یہ عالم تھا کہ پٹتے جاتے تھے اور قرآن خوانی جاری تھی۔ جب ان پر کفار کے مظالم ناقابلِ برداشت حد تک پہنچ گئے تو حضورؐ کے ایما پر حبش کو ہجرت کر گئے۔

حضرت عثمان غنیؓ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تو ان کے چچا نے انہیں باندھ کر مارا۔ اور اس قدر سختیاں کیں کہ بالآخر انہیں اپنی اہلیہ حضرت رقیہؓ بنتِ رسول اللہؐ کے ہمراہ ارضِ وطن کو الوداع کہہ کر حبش جانا پڑا۔

حضرت طلحہؓ شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے تو کفارِ مکہ نے ان پر بے پناہ مظالم ڈھائے۔ اس وقت تک ان کی والدہ اسلام نہیں لائی تھیں وہ بھی بیٹے کے قبولِ اسلام پر سخت برافروختہ ہوئیں۔ امام بخاریؒ نے "تاریخ الصغیر" میں مسعودؓ بن خراش کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ہم صفا اور مروہ کے درمیان چکر لگا رہے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ بہت سے لوگ ایک نوجوان کو کھینچتے ہوئے لے جا رہے ہیں۔ میں

نے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ لوگوں نے کہا کہ طلحہ بن عبیداللہ بے دین ہو گیا ہے۔ ایک عورت اس نوجوان کے پیچھے پیچھے غراتی ہوئی اور گالیاں دیتی ہوئی جا رہی تھی۔ میں نے پوچھا، یہ عورت کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ اس کی ماں صعبہ بنت حضرمی ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے "البدایہ والنہایہ" میں لکھا ہے کہ نوفل بن خویلد عدویہ جو شیرِ قریش کے لقب سے مشہور تھا، حضرت طلحہؓ کے قبولِ اسلام پر سخت غضبناک ہوا۔ اس نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت طلحہؓ کو (جو دونوں بنو تیم سے تھے اور آپس میں رشتہ دار تھے) ایک رسی میں باندھ دیا اور بڑی سختی کی۔

ابنِ اثیرؒ اور امام حاکمؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت طلحہؓ کے قبولِ اسلام کی خبر اُن کے چچا اور بڑے بھائی عثمان بن عبیداللہ کو ہوئی تو انہوں نے حضرت طلحہؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ دونوں کو رسی سے باندھ کر بہت پیٹا تاکہ اس تشدد سے وہ دینِ اسلام کو ترک کر دیں لیکن کیا مجال کہ ان کے پائے استقامت میں ذرّہ برابر لغزش آئی ہو۔

حضرت عامرؓ بن فہیرہ، حضرت عائشہ صدیقہؓ کے اخیافی بھائی طفیل بن عبداللہ کے غلام تھے۔ وہ دولتِ ایمان سے بہرہ یاب ہوئے تو مشرکینِ مکّہ کے قہر و غضب کا طوفان پوری قوّت سے ان پر پھٹ پڑا۔ کوئی ظلم ایسا نہ تھا جو ان بدبختوں نے اس مردِ حق پر نہ توڑا۔ کبھی انہیں بے دردی سے زدوکوب کرتے تھے کبھی گرم ریت اور کانٹوں پر گھسیٹتے تھے۔ ایک دن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں اس حال میں دیکھا کہ کفّار انہیں کانٹے چبھو رہے تھے اور ان کی ڈاڑھی پکڑ کر طمانچے مار رہے تھے۔ صدیقِ اکبرؓ نے انہیں اسی وقت خرید کر آزاد کر دیا تاہم جب تک وہ حضورؐ کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ نہ چلے گئے کفّار نے انہیں ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ، حضرت سلمہؓ بن ہشام اور حضرت ولیدؓ بن ولید مشرف بہ اسلام ہوئے تو کفّار نے انہیں قید خانے میں ڈال دیا جہاں وہ سالہا سال

تک قیدِ تنہائی کی مصیبتیں جھیلتے رہے۔

حضرت زِنّیرہؓ، قریش کے خاندانِ مخزوم کی لونڈی تھیں، دعوتِ حق کے ابتدائی زمانے میں نعمتِ اسلام سے بہرہ یاب ہوئیں۔ قبولِ حق کے جرم میں ابوجہل ان پر نت نئے مظالم ڈھاتا تھا لیکن انہیں جان دینا تو منظور تھا، خدائے واحد سے منہ موڑنا کسی صورت میں گوارا نہ تھا۔ علامہ بلاذریؒ کا بیان ہے کہ راہِ حق میں بے پناہ مظالم سہتے سہتے ان کی بینائی جاتی رہی اس پر ابوجہل نے انہیں طعنہ دیا کہ لات و عُزّیٰ نے تجھے اندھا کر دیا۔ انہوں نے بے دھڑک جواب دیا۔ لات و عُزّیٰ پتھر کے بت ہیں وہ کیا جانیں کہ انہیں کون پوج رہا ہے اگر میری بینائی زائل ہو گئی ہے تو یہ مصیبت میرے اللہ کی طرف سے ہے۔ اگر وہ چاہے تو میری بینائی واپس بھی دے سکتا ہے۔ اللہ کو ان کی شانِ استقامت اس قدر پسند آئی کہ دوسرے دن سو کر اٹھیں تو ان کی بینائی بحال ہو چکی تھی۔ ابنِ ہشام نے لکھا ہے کہ انہیں بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خرید کر آزاد کیا۔

حضرت لُبینہؓ قریش کے خاندان بنو عدی کی ایک شاخ بنی مُؤمّل کی لونڈی تھیں۔ بعثتِ نبوی کے ابتدائی سالوں میں سعادت اندوزِ اسلام ہو گئیں۔ اس پر حضرت عمرؓ بن خطاب (اپنے زمانۂ جاہلیت میں) اتنے برافروختہ ہوئے کہ ان کو روزانہ زدوکوب کیا کرتے تھے۔ جب مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے میں تھک گیا ہوں اس لیے تجھے چھوڑا ہے اب بھی اس نئے دین کو ترک کر دے۔ وہ جواب میں کہتیں "ہرگز نہیں تو جتنا ظلم ڈھا سکتا ہے ڈھا لے۔" بالآخر انہیں بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خرید کر آزاد کیا۔

حضرت نہدیہؓ اور ان کی بیٹی بنو عبدالدار کی ایک عورت کی لونڈیاں تھیں۔ بعدِ بعثت کے ابتدائی زمانے میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئیں اس پر ان کی مالکہ نے ان پر سخت ظلم ڈھائے لیکن وہ برابر جادۂ مستقیم پر گامزن رہیں۔

حضرت اُمِ عُبیسؓ خاندان بنو زہرہ کی لونڈی تھیں۔ دعوتِ حق پر لبیک کہنے

والے ابتدائی مسلمانوں میں سے تھیں۔ حق پرستی کے جرم میں مکہ کا مشہور مشرک رئیس اسود بن عبد یغوث ان پر بے پناہ ظلم کرتا تھا لیکن وہ کسی صورت میں اسلام سے منحرف نہ ہوتی تھیں۔ آخر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں اس کے پنجۂ ستم سے رہائی دلائی۔

حضرت حمامہؓ حضرت بلال حبشیؓ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ وہ بھی بیٹے کی طرح دعوتِ حق کے اوائل میں مشرف بہ اسلام ہو گئی تھیں۔ مشرکین نے جہاں ان کے فرزند کو لرزہ خیز مظالم کا نشانہ بنایا وہاں ان کو بھی طرح طرح کے عذاب دیئے لیکن وہ اسلام پر ثابت قدم رہیں۔

یہ مکہ میں حلقہ بگوشِ اسلام ہونے والے سابقون الاوّلون کی بلاکشی کی صرف چند مثالیں ہیں ورنہ ابتدائے بعثت میں لوائے توحید تھامنے والا کوئی بھی متنفس کفار کے دستِ تعدی سے محفوظ نہیں تھا۔ جب کفار کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مظلوم مسلمانوں کو حبش کی طرف ہجرت کر جانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ ۵ھ اور ۶ھ بعدِ بعثت میں بہت سے مسلمان مرد اور خواتین مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ ہر انسان کو اپنے وطن اور گھر بار سے فطری طور پر گہرا لگاؤ ہوتا ہے اور انہیں چھوڑنا اس کے لیے بہت بڑا امتحان ہوتا ہے لیکن اللہ کے یہ پاکباز بندے اس امتحان میں بھی سرخرو ہوئے۔ ان میں سے ایک جماعت تو ہجرتِ نبوی سے پہلے مکہ واپس آ گئی اور دوسری جماعت غزوۂ خیبر (۷ھ) تک حبش میں غریب الوطنی کی مصیبتیں جھیلتی رہی۔ ۱۳ھ بعدِ بعثت میں حضورؐ نے صحابہ کرامؓ کو ہجرت الی المدینہ کا حکم دیا تو حق کے تمام نام لیواؤں نے اس پر لبیک کہا اور اپنے محبوب وطن مال جائداد اور گھر بار کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ کر مدینہ میں جا بسے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ قربانی ایسی پسند آئی کہ اس نے نہ صرف انہیں بلکہ ان کے نقشِ قدم پر چل کر بعد میں آنے والوں کو بھی اپنے راضی ہونے کی بشارت دی۔ گو ان بعد میں آنے

والوں نے اوائلِ بعثت کے بلاکشوں جیسی مصیبتیں نہیں جھیلیں تاہم انہوں نے بھی اپنے مال، اولادیں اور جانیں راہِ حق میں وقف کر دیں اور پرچمِ حق کو بلند رکھنے کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے انہیں بھی سابقون الاولون کی مقدس جماعت میں شامل کر دیا ہاں اتنا فرق ضرور رکھا کہ فتح مکّہ سے پہلے ایمان لانے والوں کو فتح مکّہ کے بعد ایمان لانے والوں سے بہت افضل قرار دیا جیسا کہ سورۂ الحدید میں ارشاد ہوا ہے:

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿﴾ (آیت: ۱۰)

"جس شخص نے تم میں سے فتح (مکّہ) سے پہلے خرچ کیا اور لڑائی کی وہ (اور جس نے یہ کام پیچھے کیے وہ) برابر نہیں ہو سکتے۔ اُن کا درجہ اُن لوگوں سے کہیں بڑھ کر ہے جنھوں نے بعد میں خرچ (اموال) اور (کفّار سے) جہاد و قتال کیا اور خدا نے سب سے (ثواب) نیک (کا) وعدہ تو کیا ہے اور جو کام تم کرتے ہو خدا ان سے واقف ہے۔"

قرآنِ کریم نے مہاجرین کے ساتھ ساتھ انصار کے رتبۂ بلند کا بھی واضح طور پر ذکر کیا ہے اور اپنی رضامندی اور آخرت کے اجر و ثواب میں انہیں بھی برابر کا شریک ٹھہرایا ہے۔ انصار کو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مقدس صف میں ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ یہ وہ نفوسِ قدسی تھے جو مکّہ سے تین سو میل دُور ایک قدیم شہر یثرب میں آباد تھے اور اپنے طور پر بڑے امن چین سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ یہ لوگ نہ اسلام قبول کرنے کے مکلّف تھے اور نہ مکّہ کے اہلِ حق کو پناہ دینے پر مجبور تھے یہ صرف ان کی فطرتِ سعید تھی جس نے انہیں دعوتِ حق پر لبّیک کہنے پر آمادہ کیا۔

سنہ ۱۱ بعدِ بعثت کے موسمِ حج میں یثرب کے چھ سلیم الفطرت خزرجی مکّہ آئے۔

حضورؐ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا تو انہوں نے بلا تامل اسے قبول کر لیا۔ یثرب واپس گئے تو دوسرے لوگوں کو بھی توحید کی دعوت دی۔ ۱۲ھ بعد بعثت کے موسم حج میں دوبارہ مکہ آئے تو چھ اور مردانِ حق بھی ان کے ساتھ تھے۔ یہ سب حضورؐ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ ان کی درخواست پر آپؐ نے حضرت مُصعبؓ بن عُمیرؓ کو اسلام کا داعئ اوّل بنا کر یثرب بھیجا۔ ان کی تبلیغی مساعی کے نتیجہ میں یثرب کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا ہونے لگا۔ ۱۳ھ بعد بعثت میں یثرب کے ۷۵ اہل حق (۷۳ مرد اور دو عورتیں) مکہ آئے اور کفار سے در پردہ رات کو عَقَبہ کی گھاٹی میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی، آپؐ کی بیعت سے مشرف ہوئے اور پھر اس عہد کے ساتھ آپؐ کو یثرب تشریف لانے کی دعوت دی کہ ہم اپنی جانوں اولادوں اور مالوں کے ساتھ آپ کی حفاظت اور مدد کریں گے۔ اس بیعت کو تاریخ میں بیعت عقبۂ ثانیہ، بیعت لیلۃ العقبہ یا بیعت عقبۂ کبیرہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ بیعت تاریخ اسلام میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ فی الحقیقت یہ بیعت عرب و عجم اور جن و انس سے اللہ کی خاطر جنگ کرنے کی بیعت تھی۔ ٹھیک اس وقت جب عرب کا ذرّہ ذرّہ علمبردارانِ حق کے خون کا پیاسا تھا، ارضِ یثرب کے یہ مقدّس انسان اٹھے اور اپنی جانوں، مالوں اور اولادوں کو مکہ کے دُرِّ یتیم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لا ڈالا ـــ ان مبارک ہستیوں نے اپنا سب کچھ راہِ حق میں داؤ پر لگا دیا اور کسی خطرے اور ملامت کو خاطر میں نہ لائے۔ اس بیعت نے انصار کو ایک ایسا شرف اور امتیاز عطا کر دیا جس پر وہ ہمیشہ فخر کرتے رہے

حضورؐ نے مکہ میں حلقہ بگوشِ اسلام ہونے والے صحابہؓ کو ہجرت الی المدینہ کا اِذن دیا تو قریب قریب تمام صحابہؓ و صحابیاتؓ ارضِ مکہ کو الوداع کہہ کر مدینہ پہنچ گئے۔ انصار نے انہیں اہلاً وسہلاً و مرحبا کہا اور نہایت خوش دلی سے ان کی میزبانی کی۔ کچھ عرصہ بعد خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عامرؓ بن فہیرہ کے ہمراہ یثرب میں نُزولِ اجلال فرمایا تو انصار نے آپؐ کے سامنے دیدہ و دل

فرش راہ کر دیئے اور ایسے والہانہ جوش و خروش اور بے پناہ ذوق و شوق سے حضورؐ کا استقبال کیا کہ تاریخِ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس دن "یثرب" "مدینۃ النبیؐ" بن گیا اور اس کی زمین رشکِ آسمان بن گئی۔

مہاجرینِ کرامؓ سالہا سال تک زہرہ گداز مصائب و نوائب جھیلنے کے بعد اپنے اہل و عیال گھر بار اور مال و جائداد چھوڑ کر جب مدینہ پہنچے تو ان کے پاس خدا کے نام کے سوا کچھ نہ تھا لیکن انصارِ مدینہ نے جس محبت اور خلوص سے ان غریب الوطنوں کی مہمانداری کی وہ ایک ایمان افروز داستان ہے جس سے تاریخِ اسلام کے اوراق تاابد جگمگاتے رہیں گے۔ انصار فطرتاً بڑے شریف، سادہ بامُرَوّت اور وسیع القلب لوگ تھے لیکن ان کے صدیوں پرانے باہمی نفاق و عداوت نے ان کے خصائلِ شریفہ کو قریب قریب غارت کر دیا تھا۔ اسلام نے انصار کے باہمی نفاق کو ختم کیا اور جو لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے ان کو دین کے مستحکم رشتۂ اخوت میں منسلک کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح انصار کو ہولناک تباہی سے بچا لیا۔ سورۂ آلِ عمران میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ (آیت: ۱۰۳)

"اللہ کی رسی کو مل کر مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ مت پیدا کرو اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے۔ پھر اس نے تمہارے دلوں میں (باہمی) الفت پیدا کر دی۔ سو تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔ حالانکہ تم لوگ آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے۔ سو اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اس طرح اللہ تم سے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے شاید تم راہ پاؤ۔"

حق تعالیٰ کے اس احسانِ عظیم کا انصار نے کما حقہ، شکر ادا کیا۔ انہوں نے اپنی

جانوں، مالوں اور اولادوں کو راہِ حق میں وقف کر دیا اور اپنے ایثار، خلوص اور فداکاری کے انمٹ نقوش صفحاتِ تاریخ پر ثبت کیے۔ ہجرت کے چند ماہ بعد حضورؐ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتۂ مؤاخاۃ قائم کرایا۔ اس رشتہ کا قیام محض ایک ہنگامی ضرورت کے تابع نہ تھا بلکہ اس کے اندر خاص حکمت اور مصلحت تھی، ایک تو یہ کہ مہاجرین کے دل سے غریب الوطنی کا احساس جاتا رہے۔ دوسرے یہ کہ مہاجرین جو ابتلاء و مصائب کی بھٹی میں پڑ کر کندن بن چکے تھے اور جن کی تربیت و اصلاح سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی تھی اپنے نومسلم انصار بھائیوں کی تربیت کر سکیں۔ مؤاخاۃ سے پہلے بھی انصار نے مہاجرین کے لیے دیدہ و دل فرشِ راہ کر رکھے تھے لیکن مؤاخاۃ کے بعد تو انہوں نے اپنے مواخاتی بھائیوں سے حقیقی بھائیوں سے بھی بڑھ کر سلوک کیا۔ وہ انہیں اپنے گھروں میں لے گئے اور تمام مال و متاع اور جائداد غرض گھر کی ایک ایک چیز شمار کر کے آدھی آدھی ان کو دے دی۔ اس ملکوتی جذبہ کی انتہا یہ تھی کہ حضرت سعدؓ بن ربیع انصاری اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو اپنے مہاجر بھائی کے لیے الگ کرنے کے لیے تیار ہو گئے اس کی تفصیل پیچھے آ چکی ہے۔

انصار نے اپنے نصف نخلستان اور زمینیں اپنے مہاجر بھائیوں کو پیش کیں تو انہوں نے فنِ باغبانی اور زراعت سے ناآشنا ہونے کے باعث ان کے لینے میں عذر کیا۔ انصار کا جوشِ ایمان ملاحظہ ہو، انہوں نے کہا کہ یہ نخلستان اور زمینیں ہم آپ کو ضرور دیں گے۔ ان میں کھیتی باڑی ہم خود کر لیں گے اور پیداوار کا نصف حصہ آپ کو دے دیا کریں گے۔ مہاجرین نے احسان مندی کے ساتھ اپنے انصار بھائیوں کی اس پیشکش کو قبول کر لیا۔ جنگِ خیبر تک مہاجرین ان نخلستانوں سے متمتع ہوتے رہے۔ فتح خیبر کے بعد یہ نخلستان انہوں نے شکریہ کے ساتھ انصار کو واپس کر دیئے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ مؤاخاتی رشتہ سگے بھائیوں جیسا رشتہ بن گیا تھا یہاں تک کہ اگر کوئی انصاری سفرِ آخرت اختیار کرتا تو اس کا مہاجر بھائی اس کے ترکہ کا وارث

ہوتا اور مرحوم کے قریبی رشتہ دار اس سے محروم رہتے تھے۔ جنگِ بدر کے بعد مہاجرین کی مالی حالت درست ہو گئی تو سورۂ انفال کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ ۔ (آیت: ۷۵)

" قرابت والے ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں"

چنانچہ اس فرمانِ الٰہی کی تعمیل میں انصار و مہاجرین کا باہمی توارث منسوخ کر دیا گیا اور صرف خویش و اقارب ہی میں میراث کا قاعدہ جاری ہو گیا۔

انصار نے اپنا ایثار و اخلاص اپنے مؤاخاتی بھائیوں تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ جب بھی ضرورت پڑی انہوں نے راہِ حق میں اپنی استطاعت سے بڑھ کر قربانیاں پیش کیں۔ حضرت حارثہؓ بن نعمان انصاری نے اپنے کئی مکانات سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کر دیئے تھے۔ اسی طرح اصحابِ صُفّہ کی کفالت انصار نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔ جہاد کا موقع آتا تو وہ اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ اسلام کے لیے سینہ سپر ہو جاتے تھے۔ حضورؐ نے غزوۂ بدر سے پہلے انصار کا منشاء بطورِ خاص معلوم کیا کیونکہ انہوں نے یہ عہد نہیں کیا تھا کہ ہم مدینہ سے باہر جا کر بھی دشمن سے لڑیں گے۔ مہاجرین سے مشورہ کے بعد جب حضورؐ نے فرمایا کہ اب دوسرے حضرات بھی مشورہ دیں تو رئیسِ اوس حضرت سعدؓ بن معاذ معاً اٹھ کھڑے ہوئے اور پُرجوش لہجہ میں عرض کیا:

" یا رسول اللہ ہم آپ پر ایمان لائے، آپ کی رسالت کی تصدیق کی، آپ کی اطاعت کا عہد کیا پس جو بھی مرضی مبارک میں ہو وہ کیجئے۔ خدائے برتر کی قسم جس نے آپؐ کو رسول بنا کر بھیجا ہے آپ ہمیں سمندر میں کودنے کا حکم دیں گے تو ہم کود جائیں گے۔ ہمارا ایک متنفس بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ انشاء اللہ آپ ہمیں میدانِ جنگ میں ثابت قدم اور شجاع پائیں گے اور اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کرے گا۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ اس موقع پر رئیسِ خزرج حضرت سعدؓ بن عبادہ نے یہ تقریر کی:۔

"یا رسول اللہ شاید آپ کا اشارہ انصار کی طرف ہے اگر آپ سمندر کا حکم دیں تو ہم اسے پامال کر دیں اور خشکی کا حکم دیں تو برک غماد (حبش یا یمن کی ایک جگہ کا نام ہے) تک اونٹوں کے کلیجے پگھلا دیں۔"

انصار کا جوشِ جہاد اور جذبۂ فدویت دیکھ کر حضورؐ کا چہرۂ مبارک فرطِ مسرت سے چمک اٹھا۔

انصار نے صرف غزوۂ بدر ہی میں نہیں بلکہ ہر غزوہ اور ہر موقع پر مہاجرین کے پہلو بہ پہلو راہِ حق میں سرفروشی اور جانبازی کا حق ادا کر دیا اور زیادہ سے زیادہ جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ راہِ حق میں ان کی جاں سپاری اور عشقِ رسولؐ کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:-

حضرت ہندؓ بنتِ عمرو بن حرام انصاریہ کے شوہر حضرت عمروؓ بن جموح، فرزند حضرت خلّاد بن عمروؓ اور بھائی حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن حرام نے جنگِ اُحد میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ حضرت ہندؓ نے شوہر، فرزند اور بھائی کی شہادت کی خبر سنی تو کسی غم و اندوہ کا اظہار کرنے کی بجائے لوگوں سے پوچھا:

"مجھے یہ بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ آپؐ کو تو کوئی ضرر نہیں پہنچا؟"

جب لوگوں نے بتایا کہ خدا کے فضل سے حضورؐ بخیریت ہیں تو ان کا چہرہ کھِل اٹھا، کشاں کشاں میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوئیں۔ جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آ گئے:

"آپؐ سلامت ہیں تو سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔"

حضرت انسؓ بن نضر انصاری نے غزوۂ اُحد میں چند بہادر مسلمانوں کو دیکھا کہ ہتھیار پھینک کر مغموم بیٹھے ہیں۔ پوچھا، تم لڑائی چھوڑ کر یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا، افسوس کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ حضرت انسؓ بولے، تو پھر تم زندہ رہ کر کیا کرو گے، اٹھو اور کافروں سے لڑ کر

مرجا وُمعبس طرح حق کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان دی ۔ یہ کہہ کر بڑے جوش سے تلوار چلاتے ہوئے کفار کے ہجوم میں گھس گئے اور ستر زخم کھا کر شہید ہو گئے ۔ ان کے بھتیجے حضرت انسؓ بن مالک خادمِ رسول اللہؐ سے روایت ہے کہ سورۂ احزاب کی یہ آیت حضرت انسؓ بن نضر کے بارے میں نازل ہوئی

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ (آیت : ۲۳)

" ایمان والوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے کیے ہوئے وعدہ کو سچا کر دکھایا ہے ان میں سے کوئی اپنی نذر (مدّت) پوری کر چکا ہے اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے ۔"

حضرت خبیبؓ بن عدی انصاری اور حضرت زیدؓ بن دثنہ انصاری کو عضل و قارہ کے لوگوں نے غداری کر کے رجیع کے مقام پر گرفتار کر لیا اور پھر قریشِ مکہ کے حوالے کر دیا ۔ ان ظالموں نے ان دونوں مردانِ حق کو سولی دینے کا فیصلہ کیا ۔ عروہؒ اور موسیٰؒ بن عقبہ سے روایت ہے کہ مشرکین جب حضرت خبیبؓ کو سولی پر لٹکانے لگے تو ان کو پکار کر اور قسم دے کر پوچھا ، کیا تجھے پسند ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری جگہ سولی پر ہو اور تو اپنے گھر میں آرام سے بیٹھے

حضرت خُبَیبؓ نے فرمایا :

" خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے اقدس میں کانٹا بھی چبھے اور میں اپنے گھر میں آرام سے بیٹھا ہوں ۔"

اسی طرح حضرت زیدؓ بن دثنہ کو سولی دینے سے پہلے ابوسفیان نے (جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے) پوچھا ، " اے زید تجھ کو خدا کی قسم سچ سچ بتانا کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تمہاری جگہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی گردن مار دی جائے اور تم اپنے اہل و عیال میں خوش و خرم رہو ۔"

اس مردِ حق آگاہ نے ابوسفیان کو بعینہٖ وہی جواب دیا جو حضرت خُبَیبؓ

نے مشرکین کو دیا تھا یعنی مجھے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں کانٹا چبھنا بھی گوارا نہیں ——— ان کا جواب سُن کر ابو سفیانؓ کے منہ سے بے اختیار نکلا : "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی جس قدر محبت ان سے کرتے ہیں دنیا میں اور کسی شخص کے ایسے شیدائی نہیں ہیں۔"

غزوۂ اُحد میں حضرت سعدؓ بن ربیع انصاری مشرکین کے خلاف دادِ شجاعت دیتے ہوئے شدید زخمی ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق ان کو بارہ زخم آئے اور وہ بے سُدھ ہو کر فرشِ خاک پر گر گئے۔ انہیں حضورؐ سے بے پناہ محبت تھی اور آپؐ کو بھی ان سے بڑا تعلقِ خاطر تھا۔ جنگ کے بعد آپؐ کو سعدؓ نظر نہ آئے تو صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا : "کوئی ہے جو سعد بن ربیع کی خبر لائے ؟"

حضرت اُبیؓ بن کعب انصاری نے عرض کیا: "یا رسول اللہ میں جاتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ میدانِ جنگ میں گئے اور لاشوں کے درمیان پھر کر حضرت سعدؓ بن ربیع کو تلاش کرنے لگے۔ بار بار ان کا نام لے کر پکارتے تھے لیکن کوئی جواب نہ ملتا تھا۔ آخر انہوں نے باوازِ بلند یہ الفاظ کہے "سعد اگر زندہ ہو تو جواب دو ——— مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔"

اس وقت حضرت سعدؓ بن ربیع کا دمِ واپسیں تھا۔ حضورؐ کا اسمِ گرامی سُنا تو رُوح اور جسم کی تمام قوتوں کو مجتمع کر کے نحیف سی آواز میں جواب دیا :-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں میرا اسلام عرض کرنا اور میرے انصاری بھائیوں سے کہنا کہ اگر آج خدانخواستہ رسول اللہ شہید ہو گئے اور تم میں سے کوئی ایک بھی زندہ بچا تو اللہ کو ہرگز منہ نہ دکھا سکو گے اور اس کے سامنے تمہارا کوئی عذر قبول نہیں ہو گا ہم نے لیلۃ العقبہ میں رسول اللہ پر فدا ہونے کا حلف اٹھایا تھا۔"

یہ کہا اور اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔

انصار کی ایسی ہی قربانیاں تھیں جنھوں نے بارگاہِ خداوندی میں انہیں مہاجرین

کی طرح عزت و عظمت کا مستحق ٹھہرایا، سچے مومن کا لقب دلایا اور جنت کی بشارت دلائی۔

قرآنِ کریم میں صحابۂ کرامؓ کی عظمت مختلف پیرایوں میں بیان کی گئی ہے کہیں تو تمام صحابۂ کرامؓ کی جلالتِ قدر کو اجتماعی طور پر بیان کیا گیا ہے اور سب کو کسی استثنا کے بغیر مغفرت اور جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ کہیں کسی خاص واقعہ یا موقعہ اور مقام کی مناسبت سے صحابۂ کرامؓ کی کسی خاص جماعت کو رضائے الٰہی کی نوید سنائی گئی ہے۔ بعض مقامات پر ایسی آیات بھی ہیں جو کسی خاص صاحبِ رسولؐ کی شان میں نازل ہوئی ہیں اور ان کی شانِ نزول اُن صاحبِ رسولؐ کا کوئی ایسا عملِ صالح ہے جسے بارگاہِ خداوندی میں خاص درجۂ قبولیت حاصل ہوا۔ ایسی متعدد آیات بھی ہیں جو نازل تو پہلے ہو چکی تھیں تاہم جب حضورؐ نے کسی صحابی کا کوئی خاص عملِ صالح دیکھا تو اس وقت ان آیات کی تلاوت لوگوں کو یہ بتانے کے لیے کی کہ ان صاحبِ رسولؐ کا یہ عمل بارگاہِ خداوندی میں اتنا مقبول ہوا ہے کہ اُن پر ان آیات کا اطلاق ہوتا ہے۔

جن آیات میں جمیع صحابۂ کرامؓ کو جنتی ٹھہرایا گیا ہے ان میں سے کچھ اوپر بیان کر دی گئی ہیں —— اب دوسری نوع کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

یکم ذیقعدہ ۶ھ ہجری کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا ارادہ فرمایا اور چودہ سو صحابۂ کرام کے ہمراہ مدینہ منورہ سے مکہ کے لیے روانہ ہوئے۔ اس خیال سے کہ مسلمانوں کی اتنی جمعیت دیکھ کر قریش کے دل میں کوئی شک نہ گزرے، حضورؐ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ تلوار کے سوا کوئی ہتھیار اپنے ساتھ نہ رکھو اور تلوار بھی نیام میں ہو۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر حضورؐ اور صحابۂ کرامؓ نے عمرہ کا احرام باندھ لیا۔ ادھر قریشِ مکہ کو مسلمانوں کی آمد آمد کی خبر پہنچی تو وہ لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ حضورؐ کو جب یہ اطلاع دی گئی کہ قریش مزاحمت کا ارادہ رکھتے ہیں تو آپ حدیبیہ پہنچ کر وہیں خیمہ زن ہو گئے اور وہاں سے قریش کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم صرف عمرہ ادا کرنے آئے ہیں لڑنا مقصود نہیں۔ قریش نے دو دن بعد عروہؓ بن مسعود ثقفی کو

(جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) حضورؐ سے گفتگو کے لیے بھیجا۔ انہوں نے گفت و شنید کے بعد واپس جا کر قریش کو اپنی گفتگو کی تفصیل بتائی اور ساتھ ہی بتایا کہ:۔

"اے برادرانِ قریش مجھے دنیا کے بڑے بڑے فرمانرواؤں کے درباروں میں جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ میں نے قیصر و کسریٰ کے دربار اور نجاشی کی شان و شوکت دیکھی ہے لیکن خدا کی قسم میں نے کسی زر خرید غلام کو بھی اپنے بادشاہ کی اتنی عزت کرتے نہیں دیکھا جتنی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی اُن کی کرتے ہیں۔ محمدؐ تھوکتے ہیں تو یہ لوگ آگے بڑھ کر ان کے تھوک کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہیں اور جوشِ عقیدت میں اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مَل لیتے ہیں۔ محمدؐ وضو کرتے ہیں تو یہ لوگ مستعمل پانی کے ایک ایک قطرے پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے اس کی خاطر آپس میں لڑ مریں گے۔ محمدؐ کوئی حکم دیتے ہیں تو ہر شخص تعمیل کے لیے لپکتا ہے۔ محمدؐ جب کوئی بات کرتے ہیں تو سب کی آوازیں پست ہو جاتی ہیں۔ محمدؐ کی عظمت کا یہ حال ہے کہ ان کا کوئی ساتھی ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا، میری مانو تو محمدؐ سے عارضی طور پر صلح کر لو۔"

قریش اگرچہ عروہؓ بن مسعود کو اپنا بزرگ مانتے تھے لیکن انہوں نے ان کے مشورے پر کان نہ دھرے۔ اُدھر حضورؐ نے عروہؓ کے جانے کے بعد حضرت عثمان ذوالنّورینؓ کو اپنا سفیر بنا کر قریش کے پاس بھیجا۔ قریش نے حضرت عثمانؓ کو مکہ میں روک لیا۔ جب وہ واپس نہ آئے تو مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ کو مشرکینِ مکہ نے شہید کر ڈالا۔ حضورؐ نے فرمایا "اگر یہ خبر صحیح ہے تو ہم عثمانؓ کا بدلہ لیے بغیر یہاں سے نہیں جائیں گے۔" صحابۂ کرامؓ اگرچہ بے سروسامان تھے لیکن سب نے حضورؐ کے ارشاد پر لبیک کہا۔ حضورؐ ببول کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور مسلمانوں سے اس بات پر بیعت لی کہ جب تک جان میں جان ہے کفار سے لڑیں گے اور قدم پیچھے نہیں ہٹائیں گے۔

تمام صحابۂ کرامؓ نے نہایت ذوق و شوق سے جاں نثاری کی بیعت کی ۔
تاریخ اسلام میں یہ بیعت "بیعتِ رضوان" کے نام سے مشہور ہے اس موقع پر سورۂ فتح کی یہ آیت نازل ہوئی :۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۔ (آیت : ۱۸)

" اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے ان کے دلوں کا حال اس کو معلوم تھا ۔"

ہجرت کے موقع پر سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو غارِ ثور اور سفرِ مدینہ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کا شرفِ عظیم حاصل ہوا ۔ یہ بڑا جان جوکھوں کا کام تھا کیونکہ اس وقت کفارِ مکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کی جانوں کے درپے تھے ۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کا جذبۂ فدویت اس قدر پسند آیا کہ یہ آیت نازل فرمائی :

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ

(سورۂ توبہ ۔ آیت : ۴۰)

" اگر تم نہ مدد کرو گے رسول کی تو اس کی مدد کی ہے اللہ نے جس وقت اس کو نکالا تھا کافروں نے کہ وہ دوسرا تھا دو میں کا (ثانیُ اثنین) جب وہ دونوں غار میں تھے ۔ وہ کہہ رہا تھا اپنے ساتھی سے تو غم نہ کھا بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے ۔"

گویا خود ربِّ ذوالجلال والاکرام نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ثانیُ اثنین کا ہتم بالشان لقب عطا فرمایا ۔

جب سورۂ "الحدید" کی یہ آیت نازل ہوئی

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝

(آیت : ۱۱)

"کون ہے جو اللہ کو قرض دے؟ اچھا قرض تاکہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا کر واپس کر دے اور اس کے لیے بہترین اجر ہے۔"

تو حضرت ابوالدحداح انصاریؓ نے یہ آیت سن کر حضورؐ سے پوچھا۔ "یا رسول اللہ کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض چاہتا ہے؟" حضورؐ نے فرمایا "ہاں اے ابوالدحداح" انہوں نے عرض کیا "ذرا اپنا دستِ مبارک مجھے دکھائیے" حضورؐ نے اپنا دستِ مبارک اُن کی طرف بڑھا دیا۔ انہوں نے اسے اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ "یا رسول اللہ میں نے اللہ کو اپنا باغ قرض دے دیا۔" یہ باغ جو حضرت ابوالدحداحؓ نے راہِ خدا میں دیا، اس میں کھجور کے چھ سَو درخت تھے اور اسی میں ان کا گھر تھا۔ حضورؐ سے یہ بات کر کے وہ سیدھے گھر پہنچے اور بیوی کو پکار کر کہا "دحداح کی ماں نکل آؤ، میں نے یہ باغ اپنے رَبّ کو قرض دے دیا ہے۔"

بیوی بھی نیک بخت تھیں، بولیں "اے ابوالدحداح تم نے نفع کا سودا کیا۔"

اور اسی وقت اپنا سامان لے کر باغ سے نکل آئیں۔

ایک دن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت کے درمیان رونق افروز تھے کہ ایک شخص بحالِ پریشاں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی:

"یا رسول اللہ، مسافر ہوں اور مدینہ میں میرے قیام وطعام کا کوئی بندوبست نہیں، آپؐ کی اعانت کا محتاج ہوں۔"

حضورؐ نے اسی وقت ازواجِ مطہراتؓ سے پوچھ بھیجا کہ گھر میں کھانے کو کچھ ہے۔ سب طرف سے جواب آیا کہ آج فاقہ ہے۔ اب حضورؐ نے صحابہؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا:

"کوئی ہے جو اس اللہ کے بندے کو مہمان بنائے۔"

حضورؐ کا ارشاد سن کر حضرت ابوطلحہ انصاریؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی:

"یا رسول اللہ اس کو میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر فوراً گھر گئے اور بیوی کو مہمان کے آنے کی اطلاع دی۔ انہوں نے کہا:

" بچوں کے لیے تھوڑا سا کھانا پکا ہے اس کے سوا، خدا کی قسم گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں۔"

حضرت ابو طلحہؓ نے کہا " کوئی مضائقہ نہیں، بچوں کو بہلا کر سلا دو۔ جب وہ سو جائیں تو ہم ان کا کھانا مہمان کے آگے رکھ دیں گے۔ تم چراغ درست کرنے کے بہانے سے اٹھ کر اس کو بجھا دینا۔ اندھیرے میں مہمان کھانا کھا لے گا اور ہم بھی یونہی منہ چلاتے رہیں گے۔"

غرض اس طرح مہمان کو کھانا کھلا کر دونوں میاں بیوی اور بچوں نے رات فاقہ سے گزار دی۔ صبح کو جب یہ نرالے میزبان حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو زبانِ رسالتؐ پر سورۂ حشر کی یہ آیت جاری تھی:

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ

(آیت: ۹)

"اور وہ لوگ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان پر تنگی (فاقہ) ہی ہو۔"

اور حضورؐ فرما رہے تھے " رات کو تمہارا اپنے مہمان کے ساتھ برتاؤ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آیا۔"

اور پھر ایک دن یہی حضرت ابو طلحہؓ بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے کہ سورۂ آلِ عمران کی یہ آیت نازل ہوئی:

لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ۔

(آیت: ۹۲)

" تمہیں ہرگز ثواب نہ ملے گا جب تک کہ اپنی عزیز ترین دولت اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔"

حضرت ابو طلحہؓ مسجدِ نبوی کے سامنے ایک وسیع اور پُرفضا باغ کے مالک تھے۔ اس کے کنوئیں " بیرحاء " کا پانی بہت صاف، شیریں اور خوشبودار تھا اور حضورؐ اسے بڑے شوق سے پیا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں اس قسم کی جائداد

بہت بڑی نعمت تھی لیکن حضرت ابو طلحہؓ اٹھے اور عرض کی :

" یا رسول اللہ میری محبوب ترین جائداد " بیرحاء " ہے میں یہ راہِ خدا میں وقف کرتا ہوں اور خدا کی قسم اگر یہ بات چھپ سکتی تو میں اسے کبھی ظاہر نہ کرتا ۔ "

ان کا جذبۂ انفاق دیکھ کر حضورؐ کا روئے اقدس چمک اٹھا انہیں دعائے خیر دی اور فرمایا کہ اسے اپنے اعزّہ واقارب میں تقسیم کر دو ۔ انہوں نے فوراً فرمانِ رسالت کی تعمیل کی اور یہ ساری جائداد اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دی ۔

صحابۂ کرامؓ کا جذبۂ خیر و ایثار اور انفاق فی سبیل اللہ جس کی قرآنِ حکیم میں جا بجا تعریف و تحسین کی گئی ہے اس کی انتہا یہ تھی کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر جب حضورؐ نے صحابۂ کرامؓ کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی تو جہاں دوسرے صحابۂ کرامؓ نے اپنی استطاعت سے بڑھ کر مالی قربانی دی وہاں صدّیق اکبرؓ نے گھر کی سوئی سلائی تک راہِ حق میں پیش کر دی اور جب حضورؐ نے پوچھا کہ ابوبکر گھر میں بھی کچھ چھوڑ آئے ہو تو عرض کیا " یا رسول اللہ، اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے نام کے سوا کچھ بھی نہیں چھوڑا اور یہی میرے لیے کافی ہے ۔ "

صحابۂ کرامؓ ایسے اعلیٰ سیرت و کردار اور اخلاق و اعمال کے حامل تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے راستہ کو ایک معیاری راستہ قرار دیا اور ان کی مخالفت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت قرار دیا ۔ سورۃ النساء میں ارشاد ہوتا ہے :

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝ (آیت : ۱۱۵)

" اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے جب کہ اس کے سامنے ہدایت کھل چکی ہو اور چلے مؤمنین کی راہ چھوڑ کر، ہم اسے پھیر دیں گے جس طرف پھرتا ہے اور قیامت کے دن جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بُری جگہ ہے ۔ "

مفسرین کے نزدیک یہاں "مؤمنین کی راہ" سے مراد صحابۂ کرامؓ کی راہ ہے اور صحابۂ کرامؓ وہی نفوسِ قدسی ہیں جن کے اوصاف و محاسن قرآنِ حکیم میں جا بجا بیان کیے گئے ہیں ان کا احاطہ کرنے کے لیے ایک ضخیم کتاب درکار ہے یہاں ہم صرف چند اوصاف بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں :-

اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے فرماں بردار، صادق الایمان، نیک نیت، نیکیوں میں سبقت کرنے والے، ہر بھلائی میں پیش پیش، حق کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگا دینے والے، راہِ حق میں عزیز و اقارب، وطن، گھر بار مال جائداد سب کچھ قربان کر دینے والے، حلال کمانے اور حلال کھانے والے، حرام سے بچنے والے، راستباز (عدول) امانت دار، عہد کو پورا کرنے والے، راہِ حق میں ہر قسم کی مصیبت صبر و استقامت سے جھیلنے والے۔ حق و صداقت کے معاملہ میں مداہنت سے بیزار، بے ریا، مخلص، راہِ حق میں بڑھ چڑھ کر مالی قربانی دینے والے، اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دینے والے، اپنی زبان پر قابو رکھنے والے، آپس میں رحیم، کفّار پر سخت، کبائر اور بے حیائی سے بچنے والے، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے، غصہ آنے پر معاف کر دینے والے، نماز قائم کرنے والے، حج کرنے والے، روزہ رکھنے والے، زکوٰۃ دینے والے، علم سیکھنے والے، نیکی کی تلقین کرنے اور برائی سے روکنے والے، سچی گواہی دینے والے، اللہ کے ڈر سے رونے والے، مصیبت پر صبر کرنے والے، غرور اور فخر سے اجتناب کرتے والے، غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور سائلوں کی مدد کرنے والے، پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرنے والے، والدین کی خدمت کرنے والے، رات کی تنہائی میں بکثرت سجدے کرنے والے وعلیٰ ہذا القیاس۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے یہی اوصاف تھے جن کی بدولت وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور پسندیدہ بندے بن گئے تھے۔ ان کی عظمت کی اس سے بڑی دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ قرآن پاک میں انہیں دنیا اور آخرت میں شاندار

کامیابی سے ہمکنار لوگ قرار دیا گیا ہے اور کھلے لفظوں میں فرمایا گیا ہے کہ:

"اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔"

ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد ہی یہ ہے کہ اسے رضائے رَبّ حاصل ہو جائے اور یوں اس کی آخرت سنور جائے لیکن جن نفوسِ عظیم وجلیل کو خود اللہ تعالےٰ اپنے راضی ہونے کی بشارت دے رہا ہو ان کے مقام ومرتبہ اور عظمت کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ بلا شبہ وہ انبیاء علیہم السلام کے بعد کائنات کی بزرگ ترین ہستیاں ہیں اور اس شخص کی خوش بختی میں کیا کلام ہو سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ دُعا ہے اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو یہ توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

طالبؔ ہاشمی

یکم نومبر ۱۹۸۴ء

ضروری وضاحت:- اس مضمون میں صحابہ کرامؓ سے مراد وہ نفوسِ قدسی ہیں جن کو اخیر دم تک شرفِ صحابیت حاصل رہا۔ ایسے لوگ جنھوں نے پہلے شرفِ صحابیت حاصل کیا اور پھر کسی گناہِ کبیرہ کی بناء پر اس شرف سے محروم ہو گئے وہ صحابہ کرامؓ میں داخل نہیں ہیں مثلاً حضورؐ کا پھوپھی زاد بھائی اور اُم المؤمنین حضرت اُمّ حبیبہؓ کا پہلا شوہر عبید اللہ بن جحش جو اوائلِ بعثت میں اسلام لایا اور پھر ہجرت کر کے حبشہ چلا گیا۔ وہاں جا کر اسلام سے منحرف ہو گیا اور اسی حالت میں مر گیا ___ حارث بن سوید جس نے غزوۂ اُحد کے موقع پر حضرت مُجذّرؓ بن زیاد کو ناحق شہید کر دیا اور مرتد ہو کر مکّہ بھاگ گیا۔ حضورؐ نے فتح مکّہ کے بعد اس کو حضرت مُجذّرؓ کے قصاص میں قتل کرا دیا ___ وغیرہ۔

طالبؔ ہاشمی

حضرت عمارؓ بن یاسرؓ ○ طیّب المطیّب

۱

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اپنے کاشانۂ اقدس میں تشریف فرما تھے۔ اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے، اتنے میں تنومند، دراز قد کشادہ سینے اور نرگسی آنکھوں والے ایک وجیہ شخص نے آپؐ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ ان کی آواز سُن کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور پر بشاشت پھیل گئی اور آپؐ نے فرمایا :-

"مرحبا بالطیب المطیب"

(خوش آمدید! پاکیزہ و مصفّا انسان)

یہ صاحبِ رسولؐ جن کو سرورِ کائنات فخرِ موجودات سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے "طیب المطیب" کے مہتم بالشان لقب سے نوازا، سیدنا حضرت عمارؓ بن یاسرؓ تھے۔

۲

سیدنا حضرت ابو الیقظان عمارؓ بن یاسرؓ کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابۂ کرامؓ میں ہوتا ہے۔ ان کے والد یاسرؓ بن عامر اور والدہ سمیہؓ بنتِ خیاط کو بھی شرفِ صحابیت حاصل تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے :-

عمارؓ بن یاسرؓ بن عامر بن مالک بن کنانہ بن قیس بن الحصین بن لوذیم (ودیم) بن عوف بن عامر الاکبر بن یام بن عنس۔

حضرت عمارؓ کے والد حضرت یاسرؓ بن عامر قحطانی النسل تھے اور یمن کے رہنے والے تھے۔ وہ اپنے مفقود الخبر بھائی کی تلاش کرتے ہوئے مکہ میں وارد ہوئے۔ ان کے دو بھائی مالک اور حارث بھی ساتھ تھے۔ جب ان کا گمشدہ بھائی مکہ میں نہ ملا تو مالک اور حارث تو واپس لوٹ گئے لیکن یاسرؓ بن عامر نے ابو حذیفہ بن المغیرہ مخزومی سے حلیفانہ تعلقات قائم کرکے مکہ ہی میں مستقل اقامت اختیار کرلی۔ یہ بعثتِ نبوی سے تقریباً پینتالیس سال پہلے کا واقعہ ہے۔ ابو حذیفہ بن المغیرہ نے اپنی لونڈی سُمیّہؓ بنتِ خباط کی شادی حضرت یاسرؓ بن عامر سے کردی۔ ان کی صُلب سے حضرت سُمیّہؓ کے دو بیٹے عمارؓ اور عبداللہؓ پیدا ہوئے۔ ابو حذیفہ نے اس سارے خاندان کو بڑے لطف و محبت سے رکھا۔ اس کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد حضورؐ کی بعثت ہوئی اور آپؐ نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو اس سعید الفطرت خاندان کے تمام افراد نے بعثت کے ابتدائی زمانے ہی میں حضورؐ کی دعوت پر لبیک کہا۔ ان کے قبولِ اسلام کا صحیح زمانہ کونسا تھا؟ اس کے بارے میں مشہور روایت یہ ہے کہ حضرت عمارؓ نے بعثت کے ابتدائی تین سالوں کے اندر کسی وقت اسلام قبول کیا۔

صحیح بخاری کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمارؓ نے مشرف بہ ایمان ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے علاوہ صرف پانچ غلاموں اور دو عورتوں کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت عمارؓ کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے سے پہلے صرف سات نفوس نے اسلام قبول کیا تھا۔ لیکن حافظ ابنِ حجرؒ نے "فتح الباری" میں اور علامہ ابنِ اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ فی الحقیقت اس وقت تیس سے کچھ زیادہ نفوس مشرف بہ اسلام ہوچکے تھے البتہ مشرکین کے خوف سے انہوں نے اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم رازداری کے ساتھ فریضۂ تبلیغ ادا فرما رہے تھے اور ابھی دعوتِ عام کی ابتدا نہیں کی تھی۔

ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمارؓ کے قبولِ اسلام کے وقت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقمؓ بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزین ہوچکے تھے۔ حضرت عمارؓ اور حضرت صہیبؓ بن سنان رومی نے ایک ساتھ اسلام قبول کیا۔ خود حضرت عمارؓ سے روایت ہے کہ میں نے

صہیبؓ کو ارقم بن ابی ارقم کے دروازہ پر دیکھ کر پوچھا، تم کس ارادے سے آئے ہو؟ صہیبؓ بولے، پہلے تم اپنا مقصد بیان کرو۔ میں نے کہا، میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مل کر ان کی باتیں سننا چاہتا ہوں۔ (یعنی ان کی دعوت کا حال جاننا چاہتا ہوں)۔ صہیبؓ نے کہا، میرا بھی یہی مقصد ہے۔ چنانچہ ہم دونوں ایک ساتھ اندر داخل ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عمارؓ کے ساتھ یا کچھ آگے پیچھے ان کے والدین اور بھائی بھی مشرف بہ ایمان ہو گئے۔

ابن سعدؒ کہتے ہیں کہ ابوحذیفہ نے حضرت عمارؓ کو ان کے بچپن ہی میں آزاد کر دیا تھا لیکن حضرت سمیہؓ کو اپنی غلامی ہی میں رکھا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد وہ اس کے ورثا (ابوجہل وغیرہ) کی غلامی میں آ گئی تھیں۔ حضرت عمارؓ کے بھائی عبداللہؓ کے بارے میں کسی نے وضاحت نہیں کی کہ وہ بھی آزاد کر دیئے گئے تھے یا غلام ہی تھے۔ بہرصورت یہ خاندان، بنو مخزوم سے وابستہ تھا۔ اہل حق کے لیے یہ بڑا پر آشوب زمانہ تھا۔ مکہ کا جو شخص اسلام قبول کرتا، مشرکین قریش کے غیظ و غضب اور جور و تعدی کا نشانہ بن جاتا تھا۔ مشرکین اس معاملہ میں اپنے قریب ترین عزیزوں کا بھی لحاظ نہیں کرتے تھے۔ ان غریب الوطن اور بے یار و مددگار باپ بیٹوں اور حضرت سمیہؓ پر مشرکین نے قبول اسلام کے جرم میں ایسے ایسے لرزہ خیز مظالم ڈھائے کہ انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی۔ حضرت یاسرؓ اور حضرت سمیہؓ دونوں بہت ضعیف اور کبیر السن تھے لیکن کفار کی تمام سختیوں کے باوجود ان کے قدم جادۂ حق سے لمحہ بھر کے لیے بھی نہ ڈگمگائے۔ یہی حال ان کے بیٹوں کا تھا۔ ان مظلوموں کو لوہے کی زرہیں پہنا کر مکہ کی جلتی تپتی ریت پر لٹانا اور ان کی پشت کو انگاروں سے داغنا کفار کا روز کا معمول بن گیا تھا لیکن وہ نشۂ توحید میں ایسے مخمور تھے کہ راہ حق سے ہٹنے کا نام بھی نہ لیتے تھے۔

بلاذریؒ نے حضرت ام ہانیؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دن جب یہ چاروں نفوس قدسی کفار کے ہاتھوں لرزہ خیز اذیتیں جھیل رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا، ان کو مبتلائے اذیت دیکھ کر آپؐ کو سخت رنج ہوا اور آپؐ نے فرمایا:

"صبر کرو اے آل یاسر تمہارے لیے جنت کا وعدہ ہے۔"

ابن سعدؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت عثمانؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس مقام سے گزرا جہاں اس خاندان کو عذاب دیا جا رہا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا :-

"صبر کرو ـــــ یا اللہ آلِ یاسر کی مغفرت فرما دے اور تو نے ان کی مغفرت کر ہی دی۔"

بوڑھے یاسرؓ یہ ظلم سہتے سہتے ایک دن جاں بحق ہو گئے۔ پھر ایک دن ابوجہل نے حضرت سمیّہؓ کے نازک مقام پر اپنا برچھا کھینچ مارا جس کے صدمہ سے وہ شہید ہو گئیں۔ عہدِ رسالت کی یہ پہلی شہادت تھی جو راہِ حق میں واقع ہوئی۔ ظالم ابوجہل نے حضرت عبداللہؓ بن یاسرؓ کو بھی تیر مار کر شہید کر دیا۔ اب صرف عمارؓ باقی رہ گئے تھے ان کو اپنی والدہ کی مرگِ بیکسی پر سخت صدمہ ہوا۔ روتے ہوئے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ سنا کر عرض کیا :

"یا رسول اللہ اب تو ظلم کی انتہا ہو گئی۔"

حضورؐ نے ان کو صبر کی تلقین کی اور فرمایا :-

"اے اللہ آلِ یاسر کو دوزخ سے بچا۔"

والدین اور بھائیؓ کی شہادت کے بعد بھی حضرت عمارؓ بدستور کفار کی مشقِ ستم کا نشانہ بنے رہے۔

ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت عمارؓ کو کرتہ اتارے ہوئے دیکھا تو ان کی پیٹھ پر داغ ہی داغ نظر آئے، پوچھا، یہ کیا ہے ؟ انہوں نے کہا کہ یہ اس عذاب کے نشانات ہیں جو مکہ کی تپتی ہوئی ریت پر مجھے دیئے جاتے تھے۔

ایک مرتبہ مشرکین نے حضرت عمارؓ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرے تو ان کے سر پر دستِ مبارک پھیرا اور فرمایا :-

"اے آگ عمار پر اس طرح ٹھنڈی ہو جا جس طرح تو ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی ہوئی تھی۔"

ایک مرتبہ مشرکین نے حضرت عمارؓ کو پانی میں اس قدر غوطے دیئے کہ وہ اپنے

حواس کھو بیٹھے یہانتک کہ ان ظالموں نے ان کی زبان سے ایسے نازیبا کلمے کہلوا لیے جن میں حضورؐ کا انکار اور بتوں (مشرکین کے معبودوں) کی تعریف تھی۔ جب ان بدبختوں سے جان چھوٹی تو روتے ہوئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے پوچھا، کیا بات ہے تمہارے پیچھے کیا چیز لگی ہوئی ہے کہ رو رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا:

"بہت بڑی برائی یا رسول اللہ، مجھے ان ظالموں نے اس وقت تک نہیں چھوڑا

جب تک کہ میں نے آپؐ کے حق میں نازیبا کلمہ نہیں کہا اور ان کے معبودوں

کے حق میں ذکرِ خیر نہیں کیا۔"

حضورؐ نے پوچھا، تم اپنے دل کی کیا کیفیت پاتے ہو؟

عرض کیا، "یا رسول اللہ، میرا دل تو بفضلہٖ تعالیٰ ایمان باللہ و ایمان بالرسولؐ کے ساتھ مطمئن ہے۔"

حضورؐ نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کی آنکھوں سے آنسو پونچھے اور فرمایا:

"کچھ مضائقہ نہیں، اگر آئندہ بھی وہ تمہاری اذیت کے درپے ہوں اور اس

قسم کا مطالبہ کریں تو جان بچانے کے لیے ایسا کر لینا۔"

متعدد مفسرین نے لکھا ہے کہ سورۃ النّحل کی یہ آیت اسی کے بارے میں نازل ہوئی

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ

مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ ۔ (آیۃ ۱۰۶)

یعنی جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کرے مگر وہ جو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہے۔ (اس سے مواخذہ نہ ہوگا)۔

(۳)

حضرت عمارؓ ہجرت الی المدینہ تک مسلسل مکہ میں رہ کر کفار کے مظالم برداشت کرتے رہے یا اس دوران میں کچھ عرصہ کے لیے حبشہ چلے گئے، اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ وہ دوسری ہجرتِ حبشہ (سنہ ۶ بعدِ بعثت) میں

حضورؐ کے ایماء پر حبش چلے گئے اور کچھ عرصہ وہاں گزارنے کے بعد مکہ واپس آگئے لیکن جمہور اربابِ سیر نے دوسری ہجرتِ حبشہ کے مہاجرین کی جو فہرست دی ہے۔ اس میں حضرت عمارؓ کا نام شامل نہیں ہے۔ بہرصورت اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت عمارؓ ان صحابہ کرامؓ میں ہیں جنہوں نے ہجرتِ نبوی سے کچھ عرصہ (ایک دو ماہ) پہلے مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ صحیح بخاری کے مطابق جو نفوسِ قدسی سب سے پہلے مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کے نام یہ ہیں :

۱۔ حضرت ابوسلمہ عبداللہؓ بن عبدالاسد مخزومی۔

۲۔ حضرت عامرؓ بن ربیعہ عنزی۔

۳۔ (حضرت عامرؓ کی اہلیہ) حضرت لیلیٰؓ بنتِ ابی حثمہ۔

۴۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص۔

۵۔ حضرت عمار بن یاسرؓ

۶۔ حضرت بلالؓ بن رباح

حضرت عمارؓ پہلے قبا میں وارد ہوئے جہاں قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے حضرت مبشرؓ بن عبدالمنذر نے انہیں اپنا مہمان بنایا یہاں تک کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکہ سے ہجرت کر کے قبا میں نزولِ اجلال فرمایا۔ حضورؐ نے مسجدِ قبا کی تاسیس فرمائی تو حضرت عمارؓ نے بھی دوسرے صحابہؓ کے ساتھ اس کی تعمیر میں بڑے ذوق وشوق سے حصہ لیا۔ امام حاکمؒ نے اپنی " مستدرک " میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ مسجدِ قبا کے لیے پتھر حضرت عمارؓ ہی نے جمع کیے اور اس کی تعمیر کا (بیشتر) کام بھی انہوں نے ہی انجام دیا۔ چند دن بعد حضرت عمارؓ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں قبا سے مدینہ آ گئے۔ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے حضرت عمارؓ کو مدینہ میں مستقل سکونت کے لیے ایک قطعۂ زمین مرحمت فرمایا۔ قیاس یہ ہے کہ یہ قطعۂ زمین انہیں ہجرت کے فوراً بعد نہیں بلکہ کچھ عرصہ بعد عنایت کیا گیا ہوگا کیونکہ حضرت عمارؓ کچھ مدت اصحابِ صفہ میں بھی شامل رہے۔

مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے کچھ عرصہ بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار میں برادری (مؤاخاۃ) قائم کی تو حضرت عمارؓ کو حضرت حُذیفہؓ بن الیمانؓ کا اسلامی بھائی بنایا۔

حضورؐ نے مسجدِ نبوی کی تعمیر کا آغاز فرمایا تو سب صحابۂ کرامؓ نے اس کام میں بڑے جوش وخروش سے حصہ لیا۔ خود سیدِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کی طرح برابر گارا اور اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ صحابۂ کرامؓ منتیں کرتے تھے کہ حضورؐ یہ زحمت گوارا نہ فرمائیں ہم یہ کام کریں گے۔ لیکن آپؐ نے اس کو منظور نہ فرمایا۔

اس موقع پر حضرت عمارؓ اینٹیں اور گارا لالا کر دیتے تھے اور یہ رجز پڑھتے جاتے تھے:

نحن المسلمون نبنی المساجدا

ہم مسلمان ہیں، ہم مسجد بناتے ہیں

صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ:

"ہم ایک ایک اینٹ اٹھا رہے تھے اور عمار دو دو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو ان کے بدن سے مٹی صاف کرنے لگے اور فرمانے لگے، ہائے عمار۔ اس کو باغی جماعت قتل کرے گی۔

(بخاری جلد ا کتاب الصلوٰۃ باب التعاون فی بناء المسجد)[1]

طبقات ابنِ سعدؒ میں ہے کہ ایک دن کسی نے حضرت عمارؓ کے سر پر اتنا بوجھ لاد دیا کہ لوگ چلا اٹھے "یہ بوجھ عمار کو مار ڈالے گا۔" وہ پہلے بھی ایسی شکایت کر چکے تھے (کہ ان پر ان کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ لاد دیا جاتا ہے) سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو کچھ اینٹیں اتار کر پھینک دیں اور فرمایا:

"افسوس ابنِ سمیہؓ تمہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔"

---

[1] مولوی سعید انصاری مرحوم نے اپنی کتاب سیر الصحابہ جلد دوم میں اس روایت پر تنقید کی ہے اور اس کے بعض راویوں کی ثقاہت میں کلام کیا ہے لیکن جمہور ارباب حدیث، سیر، مغازی وتاریخ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۴)

حضرت عمارؓ راہِ حق کے ایک جانباز سپاہی تھے اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی عقیدت اور محبت عشق کے درجے تک پہنچی ہوئی تھی۔ وہ بدر سے لے کر تبوک تک تمام غزوات میں اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے اور ہر غزوے میں جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑے۔ عہدِ رسالت کا شاید ہی کوئی شرف ایسا ہو جو انہیں حاصل نہ ہوا ہو۔ مشہور غزوات کے علاوہ حضرت عمارؓ بعض چھوٹی چھوٹی مہموں میں بھی شریک ہوئے۔ سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اخلاص فی الدین اور جذبۂ فدویت کا اعتراف فرماتے تھے اور ان کا بہت اعزاز و اکرام کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو ایک مہم کا امیر بنا کر بھیجا۔ ان کے ماتحت لشکر میں حضرت عمارؓ بن یاسرؓ بھی شامل تھے۔ یہ لشکر روانہ ہوا اور اس قبیلے کے قریب پہنچ گیا جس سے صبح جنگ کرنی تھی اور رات کے آخری حصے میں وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ اس قبیلے کو کسی شخص نے مسلمانوں کی آمد کی اطلاع دے دی۔ وہ لوگ بھاگ گئے، البتہ ایک آدمی وہیں ٹھہرا رہا کیونکہ وہ اور اس کے گھر والے اسلام

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)۔ نے اپنی کتابوں میں الفاظ کے معمولی تغیر کے ساتھ اس حدیث کو تواتر کے ساتھ نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث کتاب الجہاد (باب مسح الغبار عن الراس فی السبیل) میں بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ مسلم، مسندِ احمد، ترمذی، نسائی، طبرانی، بیہقی، مسندِ ابوداؤد، طیالسی وغیرہ کتبِ حدیث میں بھی اس مضمون کی روایات موجود ہیں۔ ان کے راویوں میں حضرت عثمان ذوالنورینؓ، حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص، حضرت ابورافعؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت ابوایوب انصاریؓ، حضرت ابوقتادہ انصاریؓ اور حضرت حذیفہ بن الیمانؓ جیسے جلیل القدر صحابہ شامل ہیں۔ چونکہ احادیث کی جرح و تعدیل یا مشاجراتِ صحابہؓ پر بحث کرنا ہمارے موضوعِ گفتگو سے خارج ہے اس لیے کسی روایت کی کوئی تاویل کرنا یا اس سے کوئی نتیجہ اخذ کرنا ہم قارئین کی صوابدید اور تحقیق پر چھوڑتے ہیں۔

لا چکے تھے۔ (بنظرِ احتیاط) اس کے اہلِ خانہ نے بھی (فرار کے لیے) سواریوں پر سامان لاد لیا لیکن اس شخص نے ان سے کہا کہ ذرا ٹھہر جاؤ اور میری واپسی کا انتظار کرو۔ اس کے بعد وہ مسلمانوں کے پڑاؤ میں آکر حضرت عمارؓ سے ملا اور ان سے کہا " اے ابوالیقظان میں اور میرے گھر والے اسلام لا چکے ہیں کیا یہ بات مجھے نفع پہنچائے گی؟ میری قوم تو تم لوگوں کی آمد کا سن کر بھاگ گئی۔" حضرت عمارؓ نے اس سے کہا، تو ٹھہر جا تجھے امن ہے۔ چنانچہ وہ آدمی اور اس کے گھر والے اپنی بستی ہی میں ٹھہر گئے۔ علی الصباح حضرت خالدؓ نے اس بستی پر چڑھائی کی، دیکھا کہ سب لوگ بھاگ گئے ہیں۔ انہوں نے اس آدمی اور اس کے گھر والوں کو پکڑ لیا۔ حضرت عمارؓ نے حضرت خالدؓ سے کہا کہ تمہیں اس آدمی سے کوئی تعرض نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ اسلام لا چکا ہے۔ حضرت خالدؓ نے کہا، تمہیں اس آدمی سے کیا واسطہ، کیا تم اسے پناہ دو گے حالانکہ امیرِ لشکر میں ہوں۔

حضرت عمارؓ نے فرمایا، ہاں میں پناہ دوں گا خواہ تم امیر ہو، یہ آدمی ایمان لا چکا ہے اور اگر چاہتا تو یہ بھی اسی طرح بھاگ جاتا جس طرح اس کی قوم بھاگ گئی۔ میں نے ہی اس کے اسلام کی وجہ سے اس کو یہاں ٹھہرنے کا مشورہ دیا ہے۔ اس معاملہ نے تلخ کلامی کی صورت اختیار کر لی۔ جب یہ لشکر واپس مدینہ آیا تو حضرت خالدؓ اور حضرت عمارؓ دونوں بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمارؓ نے سارا واقعہ حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپؐ نے حضرت عمارؓ کے امن دینے کو برقرار رکھا البتہ ہدایت فرمائی کہ آئندہ کوئی شخص امیر (کے مشورہ یا اجازت) کے خلاف کسی کو پناہ نہ دے۔ اس کے بعد پھر ان دونوں میں آپؐ کے سامنے تیزی ترشی ہوئی۔ حضرت خالدؓ نے غیظ و غضب کی حالت میں کہا، یا رسول اللہ آپؐ کے سامنے یہ غلام مجھے سخت سست کہہ رہا ہے خدا کی قسم اگر آپؐ نہ ہوتے تو اس کو یہ جرأت نہ ہوتی۔

حضورؐ نے فرمایا " خالد عمار سے رک جاؤ، جو عمار کو برا کہتا ہے اللہ اس کو برا کہتا ہے، جو عمار کو مبغوض رکھتا ہے وہ اللہ کے نزدیک مبغوض ہوتا ہے اور جو عمار کی تحقیر کرتا ہے اللہ اس کی تحقیر کرتا ہے۔"

اس کے بعد حضرت عمارؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور وہاں سے چل دیئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید ان کے پیچھے لپکے اور ان کے کپڑوں کو پکڑ لیا پھر ان کو منانے لگے یہانتک کہ حضرت عمارؓ ان سے راضی ہو گئے۔ (ابنِ عساکر)

"مستدرکِ حاکم" میں حضرت خالدؓ بن ولید سے روایت ہے کہ یہ دن میرے لیے بڑا ہی سخت تھا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میرے لیے استغفار کیجئے اور حضرت عمارؓ سے بھی معافی مانگی۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو قریب قریب سارے عرب کو فتنۂ ارتداد نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ صدیقِ اکبرؓ نے عدیم المثال حوصلے اور استقامت سے اس فتنہ کا مقابلہ کیا۔ اس سلسلے میں متعدد خونریز معرکے پیش آئے۔ حضرت عمارؓ نے اکثر معرکوں میں مرتدین کے خلاف دادِ شجاعت دی۔ مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کی لڑائی میں بھی شریک تھے۔ طبری کا بیان ہے کہ مرتدین کے خلاف تمام لڑائیوں میں یہ سب سے زیادہ سخت لڑائی تھی۔ اس لڑائی میں حضرت عمارؓ نے حیرت انگیز شجاعت و بسالت کا مظاہرہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ یمامہ کی لڑائی میں حضرت عمارؓ کا ایک کان شہید ہو گیا جو پاس ہی زمین پر پھڑک رہا تھا لیکن وہ بے پروائی سے حملے پر حملے کر رہے تھے۔ جس طرف رُخ کرتے تھے دشمن کی صفیں ابتر ہو جاتی تھیں۔ ایک موقع پر مسلمانوں کے قدم اکھڑنے لگے تو وہ ایک بلند چٹان پر کھڑے ہو کر للکارے:

"مسلمانو! کیا تم جنت سے بھاگتے ہو، دیکھو میں عمار بن یاسر ہوں، آؤ میری طرف آؤ۔"

ان کی آواز سن کر مسلمانوں کے قدم جم گئے اور انہوں نے حضرت عمارؓ کے ساتھ مل کر اس زور کا حملہ کیا کہ مرتدین کا منہ پھر گیا اور بالآخر مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ جنگِ یمامہ (۱۱ ہجری) کے وقت حضرت عمارؓ کی عمر ۶۵ برس کے قریب تھی لیکن شجاعت اور جانبازی میں وہ جوانوں پر بھی بازی لے گئے۔

۵

امیرالمؤمنین حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کو بہت مانتے تھے اور ان کا بہت اعزاز و اکرام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سرداران قریش حضرت ابوسفیانؓ بن حرب، حضرت حارثؓ بن ہشام اور حضرت سہیلؓ بن عمرو امیرالمؤمنین حضرت عمر فاروقؓ سے ملاقات کے لیے آئے عین اسی وقت حضرت عمارؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت صہیبؓ بھی اسی غرض کے لیے کاشانۂ خلافت پر پہنچے۔ امیرالمؤمنینؓ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے پہلے حضرت عمارؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت صہیبؓ کو ملاقات کے لیے اندر بلایا اور سرداران قریش سے بعد میں ملاقات کی۔ حضرت ابوسفیانؓ نے اسے محسوس کیا اور امیرالمؤمنینؓ سے شکوہ کیا کہ غلاموں کو تو فوراً باریاب کیا جاتا ہے اور ہم جو قریش کے سربرآوردہ لوگ ہیں، بیٹھے ہوئے راہ تکتے ہیں۔

امیرالمؤمنینؓ نے فرمایا، اس کا جواب آپ لوگوں کو خود اپنے ضمیر سے پوچھنا چاہیے، اسلام نے سب کے ساتھ آپ کو بھی بلایا مگر یہ لوگ آپ پر سبقت لے گئے۔

سنہ ۲۰ ہجری میں حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کو کوفہ کا والی (گورنر) بنایا۔ اس موقع پر انہوں نے اہل کوفہ کے نام یہ فرمان بھیجا:

"میں تمہارے پاس عمارؓ بن یاسرؓ کو امیر اور ابن مسعودؓ کو معلم و مشیر (وزیر) بنا کر بھیج رہا ہوں۔ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برگزیدہ ساتھی اور بدر کے مجاہد ہیں۔ ان کی پیروی کرو اور ان کا حکم مانو۔ میں نے عبداللہؓ بن مسعود کو ایثار کر کے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ میں نے انہیں تمہارے خزانہ کا نگران (منتظم و منصرم) بھی بنا دیا ہے اور عثمانؓ بن حنیف کو مغربی عراق کی پیمائش اور لگان بندی کا منتظم مقرر کیا ہے اور تینوں کی رسد کے لیے ایک بکری یومیہ مقرر کی ہے، نصف مع پیٹ عمارؓ کے لیے اور بقیہ ابن مسعودؓ اور عثمانؓ کے لیے۔"

حضرت عمارؓ کی امارتِ کوفہ کے زمانہ میں جنگِ نہاوند پیش آئی۔ حضرت عمر فاروقؓ کی ہدایت کے مطابق حضرت عمارؓ کوفہ سے کمک لے کر نہاوند پہنچے تو اس وقت جنگ ختم ہو چکی تھی اور مسلمان فتحیاب ہو چکے تھے۔ امام بیہقیؒ اور شمس الائمہ سرخسیؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمارؓ نے اپنے ساتھی لشکریوں کے لیے مالِ غنیمت سے حصہ طلب کیا۔ فاتح فوج کے بہت سے آدمی اس پر برافروختہ ہو گئے۔ انہوں نے کہا، آپ جنگ میں شریک نہیں تھے اس لیے مالِ غنیمت کے مستحق نہیں ہیں۔ ایک بدوی سپاہی تو طیش میں آکر بدکلامی پر اتر آیا اور بولا، کنکٹے غلام (جنگِ یمامہ میں حضرت عمارؓ کا ایک کان کٹ گیا تھا) تم ہمارے مالِ غنیمت میں (جسے ہم نے جنگ کی بھٹی میں جل کر حاصل کیا ہے) شریک ہونا چاہتے ہو۔ حضرت عمارؓ بڑے بردبار تھے انہوں نے کسی سے الجھنا مناسب نہ سمجھا البتہ امیر المومنینؓ کو شکایتی خط لکھا۔ وہاں سے جواب آیا:۔

"بلاشبہ مالِ غنیمت ان لوگوں کا حق ہے جو عملاً لڑائی میں شریک ہوں۔"

اسی زمانے میں مسلمانوں کو مدائن میں کسی قبر میں زربفت کے کپڑوں میں لپٹی ہوئی ایک لاش ملی، اس کے پاس بہت سا روپیہ بھی رکھا ہوا تھا۔ کفن اور روپیہ حضرت عمارؓ کے پاس کوفہ لایا گیا۔ انہوں نے امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کو خط لکھ کر دریافت کیا کہ دونوں چیزوں کو خزانہ میں جمع کر دوں یا پانے والوں کو دے دوں۔ امیر المومنین نے جواب دیا:۔

"یہ چیزیں پانے والوں کو دے دو اور ان سے نہ لو۔"

حضرت عمارؓ نے ایک سال نو ماہ تک امارتِ کوفہ کے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیئے لیکن اسی دوران میں اہلِ کوفہ اور اہلِ بصرہ کی باہمی منافست اور حضرت عمارؓ کی غیر جانبداری نے اہلِ کوفہ کو ان سے ناراض کر دیا۔ ابن جریر طبریؒ کا بیان ہے کہ خوزستان کی فتح کے بعد اہلِ بصرہ کی خواہش تھی کہ ماہ یا ماسپندان کا پرگنہ اور کچھ دوسرے مفتوحہ علاقے صوبہ بصرہ سے ملحق کر دیئے جائیں کیونکہ صوبہ بصرہ کا رقبہ اس کی کثیر آبادی کے اعتبار سے بہت مختصر تھا۔ لیکن اہلِ کوفہ ان علاقوں کے بصرہ سے الحاق کے خلاف تھے۔ والیٔ بصرہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ان علاقوں کے بصرہ سے الحاق کے لیے

دربارِ خلافت میں تحریک کی تو اہلِ کوفہ نے اپنے والی حضرت عمارؓ پر زور دیا کہ وہ اس تحریک کی مخالفت کریں لیکن حضرت عمارؓ نے اس معاملہ میں بالکل غیر جانبداری اختیار کی اور فرمایا۔ "مجھے ان جھگڑوں میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔" ان کا جواب سن کر کوفہ کے ایک رئیس عطارد نے غضب ناک ہو کر کہا:

"اے کن کٹے پھر تم ہم سے خراج کس بنا پر طلب کرتے ہو۔"

حضرت عمارؓ بہرحال کوفہ کے سب سے بڑے حاکم تھے، چاہتے تو عطارد کو اس گستاخی پر سزا دے سکتے تھے لیکن انہوں نے بڑے تحمل سے کام لیا اور صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے:۔

"افسوس تم نے میرے نہایت اچھے اور محبوب کان کو گالی دی۔"

حضرت عمارؓ کی غیر جانبداری کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذکورہ علاقے صوبہ بصرہ میں شامل کر دیئے گئے۔ اس پر اہلِ کوفہ نے دربارِ خلافت میں حضرت عمارؓ کے خلاف شکایتوں کا طومار باندھ دیا اور بار بار لکھا کہ عمارؓ ایک کمزور امیر ہیں، انہیں سیاست نہیں آتی۔ اس سے پہلے اہلِ کوفہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے خلاف شکایتیں بھیج کر انہیں معزول کرا چکے تھے۔ علامہ بلاذریؒ نے "فتوح البلدان" میں لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کو اہلِ کوفہ کے طرزِ عمل پر افسوس ہوا اور انہوں نے فرمایا:

"اہلِ کوفہ کی طرف سے مجھ کو معذور رکھنے والا کون ہے اگر میں ان پر قوی کو حاکم بناتا ہوں تو یہ اس سے سرکشی کرتے ہیں اور اگر کسی ضعیف کو ان کا امیر بناتا ہوں تو یہ اس کی تحقیر کرتے ہیں۔"

تاہم انہوں نے حضرت عمار بن یاسرؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو کوفہ کا والی بنا دیا۔

ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ معزولی کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عمارؓ سے پوچھا، "تم معزولی کے حکم سے ناراض تو نہیں ہوئے؟" حضرت عمارؓ نے جواب دیا، "آپ پوچھتے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ میں نہ تو اس منصب پر اپنے تقرر سے خوش تھا

اور نہ اب اپنی معزولی سے ناخوش ہوں۔

(۶)

حضرت عثمان ذو النّورینؓ کے عہدِ خلافت کے نصفِ ثانی میں ملک میں فتنوں نے سر اٹھایا تو ۳۵ھ میں امیر المومنینؓ نے شورش کے اسباب معلوم کرنے کے لیے ایک تحقیقی جماعت مقرر کی جس کے ایک رکن حضرت عمارؓ بھی تھے۔ اس جماعت کو فتنہ پردازی کے اصل مرکز مصر بھیجا گیا۔ تحقیقی جماعت کے دوسرے ارکان تو جلد واپس آگئے اور اپنے متعلقہ علاقوں کی صورت حالات سے امیر المومنینؓ کو آگاہ کر دیا لیکن حضرت عمارؓ کی واپسی میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی۔ جب ایک عرصہ کے بعد وہاں سے واپس مدینہ منوّرہ آئے تو انقلاب پسند گروہ کے بعض مطالبوں اور شکایتوں کی کھلے عام تائید کی۔ اسی بناء پر انہیں ایک مرتبہ سخت تکلیف اٹھانا پڑی۔ مولانا حاجی معین الدین ندوی مرحوم نے "سیر الصحابہ" میں لکھا ہے کہ :۔

"ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کے غلاموں نے ان کو (حضرت عمارؓ کو) اس قدر مارا کہ تمام جسم ورم کر گیا۔ شکم میں خراش آگئی اور پسلی کی ایک ہڈی کو سخت صدمہ پہنچا۔ بنی مخزوم نے جن سے جاہلیت میں حلف و موالات کا تعلق تھا، یہ سُن کر کاشانۂ خلافت کو گھیر لیا اور دھمکی دی کہ اگر عمارؓ بن یاسرؓ اس صدمہ سے جانبر نہ ہوئے تو ہم ضرور انتقام لیں گے۔"

(سیر الصحابہ جلد دوم ترجمہ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ
بحوالہ الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۳۴ ۱ لابن عبد البرؒ)

اگر یہ روایت درست ہے تو باور کرنا چاہیے کہ جو کچھ ہوا، امیر المومنین حضرت عثمان ذو النّورینؓ کے علم اور ایما کے بغیر ہوا کیونکہ وہ اس قدر نیک طینت، حلیم الطبع اور خیر خواہِ اُمّت تھے کہ آخری دم تک اپنے حامیوں کو باغیوں کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت نہ دی۔ سلفِ صالحین نے مشاجراتِ صحابہؓ کے بارے میں کفِّ لسان ہی کو بہترین

شعار قرار دیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ بعض معاملات میں حضرت عمارؓ کو امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ ذوالنورینؓ سے اختلاف تھا۔

خلیفۂ راشد سیدنا حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو حضرت عمارؓ نے ان کی پُرجوش حمایت کی اور ان کے دست و بازو ثابت ہوئے۔ جنگ جمل سے پہلے حضرت علیؓ نے انہیں سیدنا حضرت حسنؓ کے ساتھ کوفہ بھیجا تاکہ وہاں کے لوگوں کی حمایت حاصل کریں۔ کوفہ کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا رویہ غیر جانبدارانہ تھا جو حضرت حسنؓ اور حضرت عمارؓ کو پسند نہیں تھا۔ وہ جامع کوفہ میں لوگوں کو غیر جانبدار رہنے کی تلقین فرما رہے تھے کہ حضرت حسنؓ اور حضرت عمارؓ وہاں پہنچ گئے۔ حضرت حسنؓ حضرت ابوموسیٰؓ کو پیچھے ہٹا کر منبر پر کھڑے ہو گئے اور لوگوں کو اپنی حمایت پر آمادہ کرنے کے لیے ایک پُرجوش تقریر کی حضرت عمارؓ بھی ان کے ساتھ منبر پر چڑھ گئے اور تقریر کرتے ہوئے کہا :-

"لوگو! میں جانتا ہوں کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ دنیا اور آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم ہیں لیکن اس وقت اللہ تعالیٰ تمہارا امتحان لے رہا ہے کہ تم اس کی فرمانبرداری کرتے ہو یا حضرت عائشہؓ کی؟"

کوفہ کے ایک صاحب اثر صحابی حضرت حجرؓ بن عدی نے حضرت عمارؓ کی پُرزور تائید کی! اس طرح کوفہ کے تقریباً دس ہزار آدمی حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل ہونے کے لیے حضرت عمارؓ کے ساتھ ہو گئے۔

جنگِ جمل کا آغاز ہوا تو حضرت علیؓ نے حضرت عمارؓ کو میسرہ کا افسر بنایا چونکہ انہیں حضرت علیؓ کے برسرِ حق ہونے کا پورا یقین تھا اس لیے غیر معمولی جوش اور ثابت قدمی سے لڑے یہاں تک کہ حضرت علیؓ کو فتح ہوئی۔ یہ واقعہ جمادی الاخریٰ ۳۶ھ کا ہے۔

(۷)

جنگِ جمل کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان اختلافات شدید سے

شدید تر ہوتے گئے یہاں تک کہ صفین کی لڑائی چھڑ گئی۔ اس لڑائی میں بھی حضرت عمارؓ نے حضرت علیؓ کی طرف سے پُرجوش حصہ لیا۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ جب وہ حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل ہو کر میدانِ جنگ کی طرف بڑھ رہے تھے تو بار بار کہتے جاتے تھے الٰہی اگر میں جانتا کہ پہاڑ سے کود کر، پانی میں ڈوب کر یا آگ میں جل کر جان دینا تیری خوشنودی کا باعث ہوگا تو میں ہر طریقے سے تجھے خوش کرتا۔ اب میں لڑنے جا رہا ہوں تو اس میں بھی تیری رضاجوئی مقصود ہے، امید ہے کہ تو اس مقصد میں مجھے ناکام نہ کرے گا۔" اس وقت ان کی عمر نوّے برس سے اوپر تھی (باختلافِ روایت اکانوے ۹۱، ترانوے ۹۳ یا چورانوے ۹۴ برس)۔ لیکن جوش و جذبہ سے سرشار تھے اور قویٰ مضبوط تھے اس لیے جنگ میں محیّر العقول شجاعت و مردانگی دکھائی۔ جس طرف رخ کرتے تھے، صفیں درہم برہم ہو جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ اثنائے جنگ میں امیر معاویہؓ کے علمبردار حضرت عمروؓ بن العاص پر نظر پڑی تو جوشِ غضب سے بے قرار ہو گئے اور زبان پر یہ الفاظ آ گئے:

"میں اس عَلَم بردار سے تین بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں لڑ چکا ہوں۔ اب چوتھی بار اس کا سامنا کر رہا ہوں۔ واللہ اگر وہ ہم کو شکست دیتے ہوئے مقام ہجر تک بھی پیچھے دھکیل دیں تو پھر بھی میں یہی سمجھونگا کہ ہم حق پر ہیں اور وہ غلطی پر۔"

ایک دن شام کے وقت جب سورج غروب ہو رہا تھا اور لڑائی پوری شدت سے جاری تھی، حضرت عمارؓ نے دودھ کے چند گھونٹ پیئے اور فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آخری گھونٹ جو تم پیو گے، دودھ کا ہوگا۔"

یہ فرما کر غنیم پر شیر کی طرح حملہ آور ہوئے اس وقت زبان پر یہ رجز جاری تھا:۔

"آج میں دوستوں سے ملوں گا آج میں اپنے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی جماعت سے ملوں گا۔"

حضرت ہاشمؓ بن عتبہ نے حضرت علیؓ کا عَلَم اٹھا رکھا تھا ان پر نظر پڑی تو کہا:

"اے ہاشم، آگے بڑھو، جنت تلواروں کے سایہ کے نیچے ہے اور موت نیزوں کے کناروں پر۔ جنت کے دروازے کھولے جا چکے ہیں اور حورانِ بہشتی مزیّن ہو چکی ہیں۔"

پھر اس بے جگری سے لڑے کہ شامی فوج کے پرے کے پرے صاف کر دیئے۔ بالآخر ایک شامی سپاہی نے انہیں اپنے نیزے سے مجروح کر کے زمین پر گرا دیا اور ایک شامی نے ان کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

علامہ ابن اثیرؒ اور حافظ ابن کثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمّارؓ کے شہید ہونے کی خبر امیر معاویہؓ کو پہنچائی گئی تو اس وقت ان کے پاس حضرت عمروؓ بن العاص اور ان کے فرزند حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بھی موجود تھے۔ حضرت عبداللہؓ نے حضرت معاویہؓ اور اپنے والد کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد دلایا کہ عمّارؓ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا تو حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا :

"کیا ہم نے عمّار کو قتل کیا ہے؟ ان کو تو اس نے قتل کیا جو انہیں میدانِ جنگ میں لایا۔"

ان کا اشارہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی طرف تھا جن کی حمایت میں لڑتے ہوئے حضرت عمّارؓ نے شہادت پائی تھی۔

ابنِ اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ دو آدمی جھگڑتے ہوئے حضرت عمروؓ بن العاص کے پاس آئے اور ان میں سے ہر ایک نے کہا کہ عمّارؓ کو میں نے قتل کیا ہے (اس لیے انعام کا مستحق ہوں) حضرت عمروؓ بن العاص نے فرمایا، خدا کی قسم یہ دونوں دوزخ کے لیے جھگڑ رہے ہیں واللہ میں پسند کرتا ہوں کہ آج سے بیس برس پہلے مر گیا ہوتا۔"

ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ یہ واقعہ حضرت امیر معاویہؓ کے سامنے پیش آیا۔ جب حضرت عمروؓ بن العاص نے کہا کہ یہ دونوں (حضرت عمّار کا قاتل ہونے کا دعوی کرنے والے) جہنّم کے لیے جھگڑ رہے ہیں تو امیر معاویہؓ نے برہم ہو کر کہا :-

"عمرو تم کیا کہہ رہے ہو، جو لوگ ہماری خاطر جانیں قربان کر رہے ہیں تم ان

کو ایسا کہتے ہو۔"
حضرت عمرو بن العاص نے فرمایا۔ "خدا کی قسم ایسا ہی ہے کاش آج سے بیس برس پہلے مجھے موت آ گئی ہوتی۔"
بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمارؓ کی شہادت کے بعد بعض غیر جانبدار صحابۂ کرامؓ بھی حضرت علیؓ کے طرفدار ہو گئے۔
حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت عمارؓ کی شہادت کی خبر سنی تو اشکبار ہو گئے۔ جب ان کی خون آغشتہ نعش میدانِ جنگ سے اٹھا کر لائی گئی تو شیرِ خداؓ نے اس کے قریب کھڑے ہو کر فرمایا:۔

"اللہ نے عمارؓ پر رحم کیا جس دن وہ ایمان لائے، اللہ نے عمار پر رحم کیا جس دن وہ شہید ہوئے، اللہ ان پر رحم فرمائے گا جس دن وہ اٹھائے جائیں گے میں نے ان کو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا تھا جب صرف چار یا پانچ صحابہ نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا۔ قدیم صحابہ میں سے کسی کو ان کی مغفرت میں شک نہیں ہو سکتا۔ عمارؓ اور حق لازم و ملزوم تھے اس لیے ان کا قاتل یقیناً جہنمی ہوگا۔"

اس کے بعد خود ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم المرتبت جاں نثار کو ارضِ کوفہ میں سپردِ خاک کر دیا۔

۸

حضرت عمارؓ بن یاسرؓ طویل مدت تک نبوّت کے سرچشمۂ فیض سے براہِ راست سیراب ہوتے تھے اس لیے علم و فضل کے اعتبار سے بہت اونچا مقام رکھتے تھے لیکن وہ بہت کم گو اور روایتِ حدیث میں بے حد محتاط تھے۔ یہی سبب ہے کہ ان سے صرف ۶۲ احادیث مروی ہیں اور ان کا شمار راویانِ حدیث صحابہ کے طبقۂ چہارم میں ہوتا ہے۔
حضرت عمارؓ کے صحیفۂ حیات میں سبقت الی الاسلام، جفاکشی، صبر و استقامت،

حُبِ رسول، شوقِ جہاد، زہد و ورع، شغفِ عبادت، حلم و تحمل، سادگی تواضع اور انکسار سب سے روشن ابواب ہیں۔

انہوں نے دعوتِ حق پر اس وقت لبیک کہا جب ایسا کرنا تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف تھا، راہِ حق میں ان پر جو لرزہ خیز مظالم ڈھائے گئے ان کا حال پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر عقیدت اور محبت تھی کہ ہر وقت آپؐ پر اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ ان کے جذبۂ فدویت کی بناء پر حضورؐ بھی ان کا خاص خیال رکھتے تھے۔ غزدۂ بدر میں ابوجہل مارا گیا تو آپؐ نے حضرت عمارؓ کو بلا کر فرمایا:۔

"اللہ نے تمہاری ماں کے قاتل کو قتل کر دیا (یعنی اس سے اس کی شہادت کا بدلہ لے لیا)۔"

شوقِ جہاد کی یہ کیفیت تھی کہ راہِ حق میں ہر وقت سر بکف رہتے تھے۔ عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں سرفروشانہ شریک ہوئے، صدّیقِ اکبرؓ کے عہدِ خلافت میں مرتدین کے خلاف سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں انہوں نے شام اور ایران کے بعض معرکوں میں بھی دادِ شجاعت دی۔

زہد و ورع اور شغفِ عبادت میں ان کی ذات مثالی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔ حرام تو حرام مشتبہات تک سے اپنا دامن آلودہ نہ ہونے دیتے تھے، خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ انہیں "طیّب المطیّب" کے لقب سے نوازا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ عمار کے اندر ہڈیوں تک ایمان بھرا ہوا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عمار سر سے لے کر پاؤں تک ایمان سے پُر ہے۔ حضرت انسؓ بن مالک کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ بے شک جنّت ان چار آدمیوں کے لیے مشتاق ہے، عمارؓ، علیؓ، سلمانؓ اور مقدادؓ۔

نمازِ پنجگانہ پابندی سے ادا کرنے کے علاوہ حضرت عمارؓ رات رات بھر نماز اور

اوراد و وظائف میں مشغول رہتے تھے۔ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم کی یہ آیت حضرت عمارؓ کی شان میں ہی نازل ہوئی ہے :-

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا یَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ یَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ط (سورۃ الزمر آیۃ ۹)

(بھلا مشرک اچھا ہے یا) وہ جو رات کے وقت زمین پر پیشانی رکھ کر اور کھڑے ہو کر عبادت کرتا اور آخرت سے ڈرتا اور اپنے پروردگار کی رحمت کی امید رکھتا ہے۔

معذوری کی حالت میں بھی نماز قضا نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حالتِ سفر میں غسل کی حاجت ہو گئی، پانی میسر نہیں تھا اس لیے سارے جسم پر خاک مل کر نماز پڑھ لی۔ مدینہ منورہ واپس آکر حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں واقعہ عرض کیا تو آپؐ نے فرمایا، "ایسی حالت میں بھی صرف تیمم کافی تھا۔" صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں خود حضرت عمارؓ کی زبانی یہ واقعہ اس طرح منقول ہے :-

"ایک شخص حضرت عمرؓ بن الخطاب کی خدمت میں آیا اور اس نے مسئلہ پوچھا کہ مجھے غسل کی حاجت ہو گئی اور پانی مجھے ملا نہیں (تو کیا کروں)۔

میں نے (یعنی حضرت عمار نے جو وہاں موجود تھے) حضرت عمرؓ سے کہا، کیا آپ کو یاد نہیں کہ ایک دفعہ میں اور آپ سفر میں تھے (اور ہم دونوں کو غسل کی حاجت ہو گئی تھی) تو آپ نے اس حالت میں نماز نہیں پڑھی۔ اور میں نے یہ کیا کہ میں زمین پر خوب لوٹا پوٹا (کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ جنابت والا تیمم بھی غسل کی طرح سارے جسم کا ہوتا ہوگا) تو جب ہم سفر سے واپس آئے تو میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ (زمین پر سارے جسم کو لوٹ پوٹ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی) تمہارے لیے بس اتنا کرنا کافی تھا۔ یہ فرما کر آپ نے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان کو

پھونکا (تاکہ جو خاک دھول لگی ہو وہ اُڑ جائے) پھر آپؓ نے ان دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر اور ہاتھوں پر پھیر لیا۔"

جمعۃ المبارک کے دن خطبہ سے پہلے منبر پر بیٹھ کر بالعموم سورہ یٰسین کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ خطبہ اگرچہ مختصر ہوتا تھا لیکن نہایت فصیح و بلیغ ہوتا تھا اور اختصار میں بھی جامعیت ہوتی تھی۔ ایک دفعہ کسی شخص نے خطبہ کے اختصار پر اعتراض کیا تو فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نماز کو طول دینا اور خطبہ کو مختصر کرنا انسان کی سمجھ کی نشانی ہے۔"

مزاج میں بے حد سادگی، قناعت اور تواضع تھی۔ ساری عمر کوئی مکان نہیں بنایا۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے اپنا مکان بنوایا اور انہیں دکھلانے کے لیے لے گئے تو فرمایا ——— "سخت چیز بنائی اور لمبی امید کی۔"

عہدِ فاروقی میں کوفہ کے امیر تھے لیکن ضرورت کی سب چیزیں خود بازار جاکر خریدتے، باندھتے اور پھر اپنی پشت یا کندھے پر اٹھا کر لاتے تھے گھر کا دوسرا کام کاج بھی اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ معذور لوگوں کا سودا سلف بھی خرید کر خود ان کے گھر پہنچا دیا کرتے تھے۔ لباس بھی بے حد سادہ ہوتا تھا، پھٹ جاتا تو اس میں پیوند لگانے میں شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔

نہایت بردبار اور متحمل مزاج تھے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے "اے کن کٹے" کہہ کر ان کو غصہ دلانا چاہا۔ انہوں نے نہایت نرمی سے جواب دیا:

"اے عمدہ کان والے۔ مجھے کیوں عار دلا رہے ہو، میرا یہ کان تو اللہ کی راہ میں کاٹا گیا ہے۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے بڑی محبت تھی۔ ان کی شان میں کسی کے منہ سے کوئی ناملائم کلمہ نہ سُن سکتے تھے۔ جس بات کو حق سمجھتے تھے اس پر اڑ جاتے تھے اور کسی خطرے اور مصیبت کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ہر کام میں ان کی نیت یہ ہوتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جائے۔ دنیوی منفعت کو انہوں نے کبھی اپنا مطمحِ نظر نہیں بنایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت شجاعؓ بن وہب اسدی

(۱)

سیدنا حضرت ابو وہب شجاعؓ بن وہب کا شمار سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ان جاں نثاروں میں ہوتا ہے جنھوں نے اُس پُر آشوب زمانے میں دعوتِ توحید پر لبیک کہا جب ایسا کرنا مشرکینِ مکہ کے نزدیک بدترین جرم تھا۔ حضرت شجاعؓ کا تعلق بنو اسد بن خزیمہ سے تھا اور زمانۂ جاہلیت میں ان کا خاندان بنو عبدِ شمس کا حلیف تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:-

شجاعؓ بن وہب بن ربیعہ بن اسد بن صہیب بن مالک بن کثیر (کبیر) بن غنم بن دودان بن اسد بن خُزیمہ۔

خزیمہ پر ان کا نسب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں شامل ہو جاتا ہے۔ بعثت کے تین سال بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مکہ کو علانیہ دعوتِ توحید دینی شروع کی تو اس وقت حضرت شجاعؓ کی مسیں بھیگ رہی تھیں اور یہ ان کا عیش اور کھیل کا زمانہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں فطرتِ سعید سے نوازا تھا، یہ جانتے ہوئے بھی کہ جو شخص اسلام قبول کرتا ہے مشرکین کے ظلم وستم کا نشانہ بن جاتا ہے، انہوں نے صدائے توحید کانوں میں پڑتے ہی اس پر بلا تامل لبیک کہا۔ کفارِ مکہ کو ان کے قبولِ اسلام کا علم ہوا تو انہوں نے ان پر بے پناہ ظلم ڈھانے شروع کر دیئے۔ جب یہ مظالم انتہا کو پہنچ گئے تو وہ ۶ سنہ بعدِ بعثت میں حضورؐ کے ایماء پر مہاجرینِ حبش کے دوسرے قافلے میں شریک ہو کر حبش چلے گئے۔

حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ کچھ عرصہ بعد یہ افواہ سن کر کہ اہلِ مکہ مسلمان ہو گئے ہیں، حضرت شجاعؓ حبش سے مکہ واپس آ گئے۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ

یہ افواہ غلط تھی اور قریش مکہ کے وہی لیل و نہار ہیں۔ صبر کے گھونٹ پی کر خاموش ہو گئے اور پھر مشرکین کے ظلم سہنے لگے۔ کچھ مدت کے بعد حضورؐ نے صحابہ کرامؓ کو ہجرت الی المدینہ کا اذن دیا تو وہ بھی اپنے بھائی عقبہؓ بن وہب کے ساتھ ارضِ مکہ کو خیر باد کہہ کر مدینہ چلے گئے۔

(۲)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو قبیلہ خزرج کے ایک معزز شخص اوسؓ بن خولی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ یہ صاحب شہسواری، کتابت اور تیر نے میں مہارت کامل رکھتے تھے۔ اسی بنا پر ”کامل“ کہلاتے تھے۔ ہجرت کے پانچ ماہ بعد حضورؐ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مؤاخاۃ قائم کرائی تو حضرت اوسؓ بن خولی کو حضرت شجاعؓ کا دینی بھائی بنایا کیونکہ دونوں کی طبیعتوں میں بڑی مناسبت تھی۔ اگر حضرت اوسؓ اعلیٰ درجے کے شہسوار اور شمشیر زن تھے تو حضرت شجاعؓ بھی نہایت اچھے شہسوار اور دلاورِ صف شکن تھے۔

غزوات کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے حضرت شجاعؓ کی تلوار بدر کے میدان میں چمکی اور یوں انہیں سابق الاسلام اور ذوالہجرتین (دو ہجرتیں کرنے والے) کے علاوہ بدری صحابی ہونے کا عظیم شرف بھی حاصل ہو گیا۔ غزوۂ بدر کے بعد انہوں نے غزوۂ اُحد، غزوۂ احزاب اور عہدِ رسالت کے دوسرے مشہور غزوات میں بھی دادِ شجاعت دی۔

ربیع الاوّل ۸ھ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ بنو ہوازن کی ایک شاخ بنو عامر کے لوگ مسلمانوں کے خلاف لڑائی کی تیاری کر رہے ہیں۔ بنو عامر مدینہ منورہ سے پانچ منزل کی مسافت پر مکہ اور بصرہ کی راہ میں نجد کے ایک مقام سیؔ میں آباد تھے جہاں اسی نام کا ایک چشمہ یا کنواں ان کے قبضے میں تھا۔ حضورؐ نے حضرت شجاعؓ کو چوبیس مجاہدین دے کر ان لوگوں کی سرکوبی پر مامور فرمایا۔ حضرت شجاعؓ اور ان کے ساتھیوں نے مدینہ سے سیؔ تک کا سفر نہایت رازداری کے ساتھ طے کیا۔ وہ دن کو پہاڑوں، ریت کے ٹیلوں یا درختوں کی آڑ میں چھپ رہتے اور رات کو برق رفتاری سے سفر کرتے۔ اس طرح

وہ اچانک بنو عامر کے سر پر جا پہنچے۔ وہ مسلمانوں کو یکایک اپنے سر پر دیکھ کر بوکھلا گئے اور بدحواسی کے عالم میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں کو مالِ غنیمت میں دوسرے مال واسباب کے علاوہ اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کی ایک کثیر تعداد بھی ہاتھ آئی جسے وہ ساتھ لے کر مدینہ آئے۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ مالِ غنیمت تقسیم ہوا تو ہر ایک مجاہد کے حصے میں پندرہ پندرہ اونٹ آئے۔ بعض مجاہدین نے اپنے حصے کے کچھ اونٹوں کے بدلے میں بھیڑ بکریاں لے لیں۔ مبادلہ کی غرض سے ایک اونٹ کو بیس بھیڑ بکریوں کے مساوی قرار دیا گیا۔

(۳)

صلح حدیبیہ (۶ ہجری) کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف وجوانب کے حکمرانوں اور رئیسوں کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط روانہ فرمائے تو حضرت شجاعؓ کو حارث بن ابی شمر غسانی اور جبلہ بن ایہم غسانی کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔

حافظ ابن قیمؒ نے "زاد المعاد" میں لکھا ہے کہ حارث بن ابی شمر غسانی دمشق کے قریب غوطہ کا رئیس تھا۔ حضورؐ نے اس کو جو خط حضرت شجاعؓ کے ہاتھ بھیجا اس کے ابتدائی فقرے یہ تھے:

ترجمہ ——— اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان اور رحیم ہے ——— محمد رسول اللہ کی طرف سے حارث بن ابی شمر کے نام ——— سلام ہے اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے، ایمان لائے اور تصدیق کرے۔ بیشک میں تم کو اس اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں جو ایک ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں۔ اسی صورت میں تمہاری سلطنت باقی رکھی جائے گی (کہ تم خدائے واحد پر ایمان لے آؤ)

علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ حارث بن ابی شمر نے اس مکتوب نبوی کا کوئی اثر قبول نہ کیا اور اپنے مذہب پر قائم رہا لیکن اس کا وزیر "مری" جو ایک سلیم الفطرت شخص تھا، اس نامہ گرامی سے اتنا متاثر ہوا کہ دل میں اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر ایمان لے آیا لیکن

اعلانِ حق کے لیے ماحول سخت ناسازگار تھا۔ اس نے حضرت شجاعؓ سے تخلیہ میں ملاقات کی، ان کے سامنے اپنے قبولِ اسلام کا اظہار کیا اور ان سے درخواست کی کہ میرا اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پہنچا دیجئے گا اور یہ بھی عرض کر دیجئے گا کہ میں نے صدقِ دل سے اسلام قبول کر لیا ہے اور انشاء اللہ مرتے دم تک اس پر قائم رہوں گا۔

جبلہ بن ایہم غسانی جو عرب کے شمال میں تبوک کے نواحی علاقوں کا حکمران تھا اُس نے اُس وقت تو اسلام قبول نہ کیا لیکن چند سال بعد حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں بڑے کرّوفر سے مدینہ گیا اور حضرت عمر فاروقؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد امیر المؤمنینؓ کے ساتھ حج کے لیے مکّہ گیا۔ طواف کے دوران میں اس کی ازار کے نیچے گھسٹتے ہوئے کونے پر بنو فزارہ کے ایک غریب مسلمان کا پاؤں پڑ گیا۔ جبلہ نے اس کے منہ پر اس زور کا تھپڑ مارا کہ اس کی ناک کا بانسہ پھوٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ فزاری نے بارگاہِ خلافت میں شکایت کی تو انہوں نے جبلہ سے جواب طلب کیا۔ اس نے بڑے تکبّر سے کہا کہ یہ تو تھپڑ تھا اگر مجھے حُرمتِ کعبہ کا پاس نہ ہوتا تو میں اس ادنیٰ شخص کا سر اڑا دیتا کہ اسے بادشاہوں کی ازار پر پاؤں رکھنے کی جرأت کیسے ہوئی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا، اسلام نے تمہیں اور اس فزاری کو برابر کر دیا، اب صرف تقویٰ ہی فضیلت کا معیار ہے۔ تم یا تو فزاری کو راضی کر لو یا قصاص دو۔ جبلہ نے کہا، مجھے کل تک کی مہلت دیجئے۔ امیر المؤمنینؓ نے اس کی درخواست مان لی۔ وہ راتوں رات اپنے ساتھیوں کو لے کر مکّہ سے بھاگ گیا اور قلمرو روم میں داخل ہو کر ہرقل کے پاس پناہ لی، یوں اس کا خاتمہ ارتداد پر ہوا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو سارے عرب میں فتنۂ ردّہ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ صدیقِ اکبرؓ نے بڑے عزم و استقلال کے ساتھ اس فتنہ کا مقابلہ کیا اور مختلف اطراف و جوانب میں گیارہ لشکر بھیج کر چند ماہ کے اندر اندر تمام مرتدین کو کچل دیا۔ اس سلسلہ میں سب سے سخت لڑائی مسیلمہ کذّاب کے خلاف یمامہ کے میدان میں پیش آئی۔ مسیلمہ کی سرکوبی کے لیے حضرت خالدؓ بن ولید مامور ہوئے تھے۔ حضرت شجاعؓ بھی ان کے لشکر میں شامل ہو گئے اور یمامہ کے میدانِ کارزار میں نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر چالیس برس سے کچھ اوپر تھی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت عاقلؓ بن بکیر لیثی

بعثتِ نبویؐ کے اڑھائی سال بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دارِ ارقم کو مرکزِ تبلیغ و ہدایت بنایا تو سب سے پہلے بنو لیث کے چار جوان آپؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "یا رسول اللہ ہم آپ کی دعوت پر ایمان لاتے ہیں ہمیں اپنے حلقہ بگوشوں میں شامل فرما لیجئے۔" یہ چاروں جوان آپس میں حقیقی بھائی تھے اور قریش کے خاندان "بنو عدی بن کعب بن لُؤیّ" کے حلیف تھے۔ حضورؐ نے ان کے جذبۂ سبقت الی الاسلام کو بنظرِ استحسان دیکھا اور ان سے پوچھا، تمہارے نام کیا ہیں۔ ایک نے اپنا نام خالد بتایا، دوسرے نے عامر، تیسرے نے ایاس اور چوتھے نے غافل بتایا۔ حضورؐ نے چوتھے بھائی سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"غافل نہیں آج سے تمہارا نام عاقل ہے۔"

انہوں نے عرض کیا "بسر و چشم"

اسی دن سے لوگ غافل کو عاقل کہنے لگے اور اسی نام سے انہوں نے تاریخ میں شہرت پائی۔ حضرت عاقلؓ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

عاقلؓ بن بکیر (بقولِ بعض ابی بکیر) بن عبدِ یالیل بن ناشب بن غیرہ بن سعد بن لیث بن بکیر بن عبد مناۃ بن کنانہ۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کو ہجرت الی المدینہ کا اذن دیا تو سالہا سال سے مشرکینِ مکہ کے ظلم و ستم کا شکار بننے والے اہلِ حق آہستہ آہستہ کفار کی نظریں بچا کر مدینہ پہنچنے لگے کیونکہ کفار کو یہ گوارا نہ تھا کہ پرستارانِ حق ان کے پنجۂ ستم سے بچ کر نکل جائیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ مکہ سے ہجرت کرنا سخت مشکل کام تھا اس لیے

سب نے چھُپ چھُپ کر ہی ہجرت کی۔ لیکن جس دن حضرت عمر فاروقؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا انہوں نے پہلے سب لوگوں کے سامنے بیت اللہ کا طواف کیا، پھر دو رکعت نماز پڑھی اور اس کے بعد قریش کے مجمع میں جاکر اعلان کیا:

"بدبختو، جو کوئی اپنی ماں کو بے اولادی کا، اپنی اولاد کو یتیمی کا اور اپنی بیوی کو رنڈاپے کا داغ دینا چاہے وہی میرا تعاقب کرے میں اب یہاں سے مدینہ جا رہا ہوں۔"

مشرکین نے حضرت عمر فاروقؓ کا اعلان سُنا لیکن کسی کو ان کا تعاقب کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ حضرت عمر فاروقؓ کی معیت میں بیس دوسرے فرزندانِ توحید بھی مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ ان میں حضرت عاقلؓ اور ان کے تینوں بھائی بھی شامل تھے۔ بعض اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ ان چاروں بھائیوں نے اپنے اہل وعیال سمیت ایک ساتھ ہجرت کی اور مکّہ میں ان کے گھر (یا گھروں) کے دروازے بالکل بند ہو گئے۔

مدینہ پہنچ کر چاروں بھائی حضرت رفاعہؓ بن عبدالمنذر انصاری کے مہمان بنے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان عقدِ مواخاۃ قائم کیا تو حضرت عاقلؓ کو حضرت مجذّرؓ بن زیاد کا دینی بھائی بنایا۔

ہجرت کے بعد حق و باطل کا معرکۂ اوّل ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ ہجری کو بدر کے میدان میں پیش آیا۔ اس میں حضرت عاقلؓ اور ان کے تینوں بھائی بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ حضرت عاقلؓ ان سب میں خوش نصیب تھے۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر دادِ شجاعت دے رہے تھے کہ ایک مشرک مالک بن زہیر نے تاک کر ان پر نیزے یا تلوار کا بھرپور وار کیا اور وہ شہید ہو کر گر پڑے۔ سابقون الاوّلون اور مہاجرین اوّلین کی مقدّس جماعت کے وہ پہلے ہی رکن تھے اب شہدائے بدر میں شامل ہو کر اتنا بلند مقام حاصل کر لیا کہ دوسرے صحابۂ کرامؓ ان پر رشک کیا کرتے تھے۔

حضرت عاقلؓ کے بھائی حضرت خالدؓ بن بکیر نے بدر کے بعد اُحد میں دادِ شجاعت دی اور سریۂ رجیع (۴ھ ہجری) میں شہادت پائی۔ حضرت عامرؓ

نے بدر کے بعد عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے عہدِ خلافت میں جنگِ یمامہ میں جامِ شہادت نوش کیا۔

حضرت ایاس رضؓ نے بھی عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں ملتزمِ رکابِ نبویؐ ہونے کا شرف حاصل کیا۔

ابنِ اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ انہوں نے ۳۴ھ ہجری میں وفات پائی۔

رضی اللہ تعالےٰ عنہم

حضرت واقدؓ بن عبداللہ یربوعی التمیمی

①

سیدنا حضرت واقدؓ بن عبداللہ اُن عظیم المرتبت صحابہ کرامؓ کی مقدس جماعت میں سے ہیں جن کو بعثتِ نبوی کے بالکل ابتدائی زمانے میں قبولِ حق کا شرف حاصل ہوا ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک دارِ ارقم میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت واقدؓ بعد بعثت کے ابتدائی تیس مہینوں کے اندر کسی وقت سعادت اندوزِ ایمان ہوئے کیونکہ حضورؐ بعثت کے اڑھائی سال بعد دارِ ارقم میں تشریف لے گئے۔

حضرت واقدؓ کا تعلق عرب کے مشہور قبیلے بنو تمیم سے تھا۔ اہلِ سِیَر نے یہ وضاحت نہیں کی کہ حضرت واقدؓ کب سے مکہ میں مقیم تھے کیونکہ مکہ بنو تمیم کا وطن نہیں تھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت واقدؓ کے آباؤ اجداد میں سے کوئی صاحب مکہ میں آکر بس گئے ہوں گے اور حضرت واقدؓ مکہ ہی میں پلے بڑھے ہوں۔ کچھ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت واقدؓ بن عبداللہ کو حضرت عمر فاروقؓ کے والد خطّاب نے اپنا حلیف اور متبنّیٰ بنا رکھا تھا گویا وہ قریش کی شاخ بنو عدی کے حلیف تھے۔

سلسلۂ نسب یہ ہے:

واقدؓ بن عبداللہ بن عبدِ مناف بن عرین بن ثعلبہ بن یربوع بن حنظلہ بن مالک بن زید مناۃ بن تمیم۔

اپنے قبیلے کی جس شاخ سے حضرت واقدؓ کا تعلق تھا، اس کو یربوعی اور حنظلی بھی

کہاجاتا ہے۔

دوسرے مسلمانوں کی طرح حضرت واقدؓ بھی کئی سال تک مشرکین قریش کے تشدد کا نشانہ بنے رہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کو ہجرتِ مدینہ کا اذن دیا تو بیشتر صحابۂ کرامؓ خفیہ طور پر مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ چلے گئے لیکن حضرت واقدؓ بن عبداللہ نے حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ علانیہ ہجرت کی۔ مدینہ پہنچ کر حضرت واقدؓ نے حضرت رفاعہؓ بن عبدالمنذر انصاری کے ہاں قیام کیا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں نزولِ اجلال فرمایا اور چند ماہ بعد مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخاۃ قائم فرمائی تو حضرت واقدؓ بن عبداللہ کو حضرت بشر بن براءؓ بن معرور انصاری کا دینی بھائی بنایا۔

(۲)

جمادی الاخریٰ ۲ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہؓ بن جحش کو آٹھ یا بارہ صحابہؓ کی معیت میں قریش کی نقل وحرکت کی ٹوہ لینے پر مامور فرمایا۔ حضرت عبداللہؓ بن جحش کے ماتحت دستے میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت عتبہؓ بن غزوان، حضرت عکاشہؓ بن محصن، اور حضرت واقدؓ بن عبداللہ جیسے کبار صحابہؓ شامل تھے۔ حضورؐ نے ان کی روانگی کے وقت ایک خط لکھوا کر حضرت عبداللہؓ بن جحش کو دیا اور ہدایت فرمائی کہ دو دن کے سفر کے بعد اس خط کو کھول کر پڑھنا اور اس میں درج ہدایات پر عمل کرنا۔ حضرت عبداللہؓ نے حضورؐ کے حکم کے مطابق دو دن کے سفر کے بعد اس خط کو کھول کر پڑھا اس میں حضورؐ کا یہ فرمان درج تھا۔

"اس خط کے پڑھنے کے بعد تم سیدھے مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ جا کر ٹھہرو۔ وہاں سے قریش کے تجارتی قافلوں پر کڑی نظر رکھو اور کسی شخص کو اس کی مرضی کے خلاف اپنے ساتھ نہ لے جاؤ۔ جو چاہے تمہارے ہمراہ جائے اور جس کی مرضی ہو واپس آجائے۔"

حضرت عبداللہؓ بن جحش نے اپنے ساتھیوں کو مکتوبِ نبوی کے مضمون سے

آگاہ کیا اور ان سے کہا کہ میرے ساتھ جانا یا نہ جانا تمہاری مرضی پر منحصر ہے کسی پر کوئی پابندی نہیں۔ سب نے بالاتفاق کہا کہ اے امیر ہم آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ اب انہوں نے بطنِ نخلہ کا رُخ کیا۔ اثنائے راہ میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت عتبہؓ بن غزوان کا اونٹ گم ہو گیا۔ دونوں حضرت عبداللہؓ بن جحش سے اجازت لے کر اس کی تلاش میں گئے اور اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ گئے۔

حضرت عبداللہؓ بن جحش نخلہ پہنچ کر قریش کے تجارتی قافلوں کی ٹوہ لگانے میں مشغول ہو گئے۔ ناگاہ قریش کا ایک قافلہ جو طائف سے کچا چمڑا، منقہ اور دوسرا تجارتی سامان بار کر کے لایا تھا، مسلمانوں کی قیام گاہ کے قریب ہی آکر خیمہ زن ہوا۔ اس قافلہ کے ساتھ قریش کے کئی سربرآوردہ آدمی تھے مثلاً عثمان بن عبداللہ مخزومی، نوفل بن عبداللہ مخزومی، حکم بن کیسان اور عمرو بن حضرمی۔

مسلمانوں نے اس قافلہ کے بارے میں صلاح مشورہ کیا۔ اس دن رجب کی پہلی تاریخ تھی لیکن مسلمانوں کا گمان تھا کہ آج جمادی الاخریٰ کی آخری تاریخ ہے۔ انہوں نے طے کیا کہ آج ہی اس قافلے سے دو دو ہاتھ کر لیے جائیں ورنہ کل رجب شروع ہو جائے گا جو حرمت والے مہینوں میں ہے۔ چنانچہ مسلمان قافلہ کی طرف بڑھے۔ حضرت واقدؓ بن عبداللہ نے جوشِ شجاعت میں عمرو بن حضرمی کو تیر کا نشانہ بنا کر ہلاک کر دیا۔ یہ سب سے پہلا مشرک تھا جو ایک مسلمان (حضرت واقدؓ) کے ہاتھ سے ہلاک ہوا۔ حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا۔ باقی اہلِ قافلہ بھاگ گئے۔ حضرت عبداللہؓ بن جحش اور ان کے رفقاء مالِ غنیمت اور دونوں قیدیوں کو لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔ حضورؐ کو سارے واقعہ کا علم ہوا تو آپؐ نے حضرت عبداللہؓ بن جحش سے فرمایا کہ میں نے حرمت والے مہینے میں تم کو خونریزی کی اجازت نہیں دی تھی۔ حضرت عبداللہؓ بن جحش نے تاریخ کی غلط فہمی کا عذر پیش کیا۔ ادھر قریش نے اس واقعہ کو بڑی شہرت دی اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں نے ماہِ حرام کی حرمت توڑ دی، خونریزی کی، مال لوٹا اور ہمارے آدمی پکڑ لیے۔ مدینہ کے یہودی اور غیر مسلم بھی مسلمانوں کو طعنے

دینے لگے کہ تم نے ماہِ حرام کو حلال کر لیا ہے۔ خود مسلمانوں نے اہلِ سریّہ کے اس کام پر ناگواری محسوس کی اور ان سے برملا کہا کہ یہ تم نے ٹھیک نہیں کیا۔ اس پر حضرت عبداللہ بن جحش اور دوسرے اصحابِ سریّہ سخت دل گرفتہ ہوئے اور عذابِ الٰہی کے خوف نے انہیں نڈھال کر دیا۔ اس پر رحمتِ الٰہی جوش میں آئی اور یہ آیت نازل ہوئی:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۔

(البقرہ ۔ آیۃ ۲۱۷)

یعنی (اے نبی) لوگ آپ سے ماہِ حرام میں لڑائی کرنے کی نسبت پوچھتے ہیں۔ ان سے کہہ دیں کہ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے لیکن اللہ کی راہ سے روکنا اور لوگوں کو مسجدِ حرام میں نہ جانے دینا اور اُن لوگوں کو جو اس کے اہل ہیں (مسلمانوں) کو اس سے نکال دینا، اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور فساد برپا کرنا قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔

یہ آیت مسلمانوں کی طرف سے ایک طرح کا اعتذار تھا کہ اگرچہ ان سے خطا ہوئی (خواہ ظن و اشتباہ اور التباس کی بنا پر) لیکن کفر، مسلمانوں کو مسجدِ حرام میں داخل ہونے سے روکنا یا مسجدِ حرام سے ان کو نکال دینا ایسے فتنے ہیں جو ماہِ حرام میں خونریزی کرنے سے کہیں بڑھ کر گناہ ہیں پس تم کس منہ سے مسلمانوں پر زبانِ طعن دراز کر سکتے ہو۔

اس آیت کے نزول سے اہلِ سریّہ کو تسکین حاصل ہو گئی۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو مالِ غنیمت میں تصرّف کرنے کی اجازت دے دی اور بقول ابنِ جریر طبری خود بھی خمس قبول فرما لیا۔ قیدیوں میں سے حکم بن کیسان نے اسلام قبول کر لیا اور عثمان بن عبداللہ کو اہلِ مکّہ نے فدیہ بھیج کر چھڑا لیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حضرمی کے ورثا کو دیت ادا کر دی۔

آگاہ کیا اور ان سے کہا کہ میرے ساتھ جانا یا نہ جانا تمہاری مرضی پر منحصر ہے کسی پر کوئی پابندی نہیں۔ سب نے بالاتفاق کہا کہ اے امیر ہم آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔

اب انہوں نے بطن نخلہ کا رُخ کیا۔ اثنائے راہ میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت عتبہؓ بن غزوان کا اونٹ گم ہو گیا۔ دونوں حضرت عبداللہؓ بن جحش سے اجازت لے کر اس کی تلاش میں گئے اور اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ گئے۔

حضرت عبداللہؓ بن جحش نخلہ پہنچ کر قریش کے تجارتی قافلوں کی ٹوہ لگانے میں مشغول ہو گئے۔ ناگاہ قریش کا ایک قافلہ جو طائف سے کچا چمڑا، منقہ اور دوسرا تجارتی سامان بار کر کے لایا تھا، مسلمانوں کی قیام گاہ کے قریب ہی آکر خیمہ زن ہوا۔ اس قافلہ کے ساتھ قریش کے کئی سربرآوردہ آدمی تھے مثلاً عثمان بن عبداللہ مخزومی، نوفل بن عبداللہ مخزومی، حکم بن کیسان اور عمرو بن حضرمی۔

مسلمانوں نے اس قافلہ کے بارے میں صلاح مشورہ کیا۔ اس دن رجب کی پہلی تاریخ تھی لیکن مسلمانوں کا گمان تھا کہ آج جمادی الاخریٰ کی آخری تاریخ ہے۔ انہوں نے طے کیا کہ آج ہی اس قافلے سے دو دو ہاتھ کر لیے جائیں ورنہ کل رجب شروع ہو جائے گا جو حرمت والے مہینوں میں ہے۔ چنانچہ مسلمان قافلہ کی طرف بڑھے۔ حضرت واقدؓ بن عبداللہ نے جوشِ شجاعت میں عمرو بن حضرمی کو تیر کا نشانہ بنا کر ہلاک کر دیا۔ یہ سب سے پہلا مشرک تھا جو ایک مسلمان (حضرت واقدؓ) کے ہاتھ سے ہلاک ہوا۔ حکم بن کیسان، اور عثمان بن عبداللہ کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا۔ باقی اہلِ قافلہ بھاگ گئے۔ حضرت عبداللہؓ بن جحش اور ان کے رفقاء مالِ غنیمت اور دونوں قیدیوں کو لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔ حضورؐ کو سارے واقعہ کا علم ہوا تو آپؐ نے حضرت عبداللہؓ بن جحش سے فرمایا کہ میں نے حرمت والے مہینے میں تم کو خونریزی کی اجازت نہیں دی تھی۔ حضرت عبداللہؓ بن جحش نے تاریخ کی غلط فہمی کا عذر پیش کیا۔ ادھر قریش نے اس واقعہ کو بڑی شہرت دی اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں نے ماہِ حرام کی حرمت توڑ دی، خونریزی کی، مال لوٹا اور ہمارے آدمی پکڑ لیے۔ مدینہ کے یہودی اور غیر مسلم بھی مسلمانوں کو طعنے

دینے لگے کہ تم نے ماہِ حرام کو حلال کر لیا ہے۔ خود مسلمانوں نے اہلِ سریّہ کے اس کام پر ناگواری محسوس کی اور ان سے برملا کہا کہ یہ تم نے ٹھیک نہیں کیا۔ اس پر حضرت عبداللہؓ بن جحش اور دوسرے اصحابِ سریّہ سخت دل گرفتہ ہوئے اور عذابِ الٰہی کے خوف نے انہیں نڈھال کر دیا۔ اس پر رحمتِ الٰہی جوش میں آئی اور یہ آیت نازل ہوئی:

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۔

(البقرہ — آیۃ ۲۱۷)

یعنی (اے نبی) لوگ آپ سے ماہِ حرام میں لڑائی کرنے کی نسبت پوچھتے ہیں۔ ان سے کہہ دیں کہ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے لیکن اللہ کی راہ سے روکنا اور لوگوں کو مسجدِ حرام میں نہ جانے دینا اور اُن لوگوں کو جو اس کے اہل ہیں (مسلمانوں) کو اس سے نکال دینا، اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور فساد برپا کرنا قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔

یہ آیت مسلمانوں کی طرف سے ایک طرح کا اعتذار تھا کہ اگرچہ ان سے خطا ہوئی (خواہ ظن و اشتباہ اور التباس کی بنا پر) لیکن کفر، مسلمانوں کو مسجدِ حرام میں داخل ہونے سے روکنا یا مسجدِ حرام سے ان کو نکال دینا ایسے فتنے ہیں جو ماہِ حرام میں خونریزی کرنے سے کہیں بڑھ کر گناہ ہیں پس تم کس منہ سے مسلمانوں پر زبانِ طعن دراز کر سکتے ہو۔

اس آیت کے نزول سے اہلِ سریّہ کو تسکین حاصل ہو گئی۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو مالِ غنیمت میں تصرف کرنے کی اجازت دے دی اور بقول ابنِ جریر طبری خود بھی خمس قبول فرما لیا۔ قیدیوں میں سے حکم بن کیسان نے اسلام قبول کر لیا اور عثمان بن عبداللہ کو اہلِ مکہ نے فدیہ بھیج کر چھڑا لیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حضرمی کے ورثا کو دیت ادا کر دی۔

(۳)

رمضان ۲ھ ہجری میں عہدِ رسالت کا پہلا معرکۂ حق و باطل بدر کے میدان میں پیش آیا تو حضرت واقدؓ کو ان تین سو تیرہ سرفروشوں میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا جو اس موقع پر سیّد الاوّلین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ یوں وہ اصحابِ بدر کی مقدس جماعت کا ایک رکن ہونے کے لازوال اور عظیم مرتبہ پر فائز ہو گئے۔

غزوۂ بدر کے بعد حضرت واقدؓ نے اُحد، احزاب، فتح مکہ، حنین، تبوک وغیرہ عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کی۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ان کی کسی سرگرمی کا سراغ نہیں ملتا۔ علامہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ ان کی عائلی زندگی کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔

فضل و کمال کے اعتبار سے کوئی قابلِ ذکر مرتبہ نہ تھا تاہم کتبِ حدیث میں ان سے مروی ایک دو حدیثیں موجود ہیں۔

رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ

حضرت ابُو برزہ اسلمیؓ

۱

پہلی صدی ہجری کے چھٹے عشرے کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ بصرے کے گورنر عبید اللہ بن زیاد کو حوضِ کوثر کے وجود کے بارے میں شک پیدا ہوا۔ اس نے لوگوں سے پوچھا، کیا کوئی شخص حوضِ کوثر کے بارے میں میرا اشکال دُور کر سکتا ہے؟ انہوں نے بصرہ میں مقیم ایک ضعیف العمر صاحبِؓ رسولؐ کا پتہ بتایا۔ ابنِ زیاد نے انہیں بُلا بھیجا۔ وہ تشریف لائے تو انہیں دیکھ کر اس نے ازراہِ استہزا کہا:

"یہ ہیں تمہارے..... محمدی!"

ان صاحبِؓ رسولؐ نے ابنِ زیاد کی بات سُنی تو انہیں بڑا دکھ ہوا اور انہوں نے بڑے پُرجلال لہجے میں فرمایا:

"میں نہیں سمجھتا تھا کہ میں کبھی ان لوگوں کو بھی دیکھوں گا جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرفِ صحبت پر عار دلائیں گے۔"

پھر وہ آگے بڑھ کر ابن زیاد کی مسند پر اس کے برابر بیٹھ گئے۔ اب ابنِ زیاد نے بات بدل کر کہا، "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت تو آپ کے لیے زینت ہے باعثِ عیب نہیں۔" پھر اس نے حوضِ کوثر کے بارے میں ان سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے حوضِ کوثر کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ فرماتے ہوئے سُنا ہے۔ انہوں نے فرمایا، "ہاں ہاں ایک دفعہ نہیں، دو دفعہ نہیں، تین دفعہ نہیں چار دفعہ نہیں..... (بلکہ بارہا) کہ جو شخص حوضِ کوثر کا انکار کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو نہ اس کے قریب پھٹکنے دیگا اور نہ اس کے پانی سے اس کو

سیراب کرے گا ـــــ" یہ فرما کر غصہ کی حالت میں فوراً وہاں سے چل دیئے۔

یہ صاحبِ رسول ؓ جو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے شرفِ صحبت کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھتے تھے اور حق بات کہنے میں حاکمِ وقت تک کی پروا نہیں کرتے تھے، سیدنا حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ تھے۔

(۲)

سیدنا حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ کا نام نضلہ تھا اور ان کا تعلق قبیلہ اسلم بن افصٰی سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

نضلہ رضی اللہ عنہ بن عبداللہ بن حارث بن حبال بن ربیعہ بن دعبل بن انس بن خزیمہ بن مالک بن سلامان بن اسلم بن افصٰی۔

بنو اسلم مرّ ظہران اور اس کے قرب و جوار میں آباد تھے۔ حضرت ابو برزہ ؓ کی ابتدائی زندگی کے حالات کا پتہ نہیں چلتا اور نہ مکہ میں ان کی آمد کے زمانہ کا تعین کیا جا سکتا ہے تاہم علامہ ابنِ سعدؒ نے واضح طور پر لکھا ہے کہ وہ بعثتِ نبوی کے ابتدائی زمانے میں مشرّف بہ اسلام ہوئے اور ہجرتِ نبوی کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ تقریباً تمام غزوات میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔

فتح مکہ (۸ھ ہجری) کے موقع پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چند اشخاص کو واجب القتل قرار دیا ان میں ایک عبداللہ بن خطل بھی تھا۔ یہ شخص سخت بدباطن تھا۔ دینِ حق اور ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی دشمنی کا یہ عالم تھا کہ اس نے اپنی دو کنیزوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ؐ کے صحابۂ کرام ؓ کی ہجو کے اشعار حفظ کرا رکھے تھے اور وہ انہیں سُر تال کے ساتھ گایا کرتی تھیں۔ مسندِ ابو داؤد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو عبداللہ بن خطل خانۂ کعبہ کا غلاف پکڑ کر لٹک گیا تاکہ اس کو امان مل جائے، لیکن اس کے جرائم اتنے بھیانک تھے کہ حضور ؐ کے نزدیک وہ کسی صورت میں امان کا مستحق نہیں تھا۔ چنانچہ آپ ؐ نے حضرت ابو برزہ ؓ کو حکم دیا کہ اس کو کیفرِ کردار تک پہنچا دو۔ انہوں نے فوراً آگے بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا۔

حضرت ابو برزہؓ نے پورا عہدِ رسالت مدینہ منورہ میں گزارا۔ عہدِ صدیقی میں بھی یہیں قیام رہا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں بصرہ آباد ہوا تو انھوں نے بصرہ کی سکونت اختیار کرلی۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ اور امیر معاویہؓ کے درمیان اختلافات کا آغاز ہوا تو انھوں نے حضرت علیؓ کی پُرجوش حمایت کی اور جنگِ صفّین میں شامی فوجوں کے خلاف بڑی ثابت قدمی سے لڑے۔ اس کے بعد جنگِ نہروان میں خارجیوں کے خلاف دادِ شجاعت دی۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے "اصابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت ابو برزہؓ نے خراسان کی فتوحات میں مجاہدانہ حصہ لیا، لیکن انھوں نے یہ تصریح نہیں کی کہ وہ کس زمانے میں اور خراسان کی کونسی مہم میں شریک ہوئے۔ قیاس یہ ہے کہ وہ خراسان کی اُن مہموں میں شریک ہوئے جو امیر معاویہؓ کے عہد میں بھیجی گئیں۔

حضرت ابو برزہؓ نے ۶۵ھ ہجری میں وفات پائی۔ اپنے پیچھے ایک لڑکا مغیرہ اپنی یادگار چھوڑا۔

(۳)

حضرت ابو برزہؓ کو فیضانِ نبوّت سے بہرہ یاب ہونے کا کافی موقع ملا اس لیے وہ علم و فضل کے اعتبار سے بڑا اونچا مقام رکھتے تھے۔ ان سے چھیالیس احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے ۲۷ متفق علیہ ہیں، ۲ میں بخاری اور ۴ میں مسلم منفرد ہیں۔

ان کے کثیر التعداد شاگردوں میں ابو عثمان نہدیؒ، ابو منہال ریاحیؒ، ازرق بن قیسؒ، ابو طالوتؒ، مغیرہؒ، ابو العالیہ ریاحیؒ، کنانہ بن نعیمؒ، رالبیؒ اور ابو السوار عدویؒ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت ابو برزہؓ نہایت پاکیزہ اخلاق و کردار کے حامل تھے۔ سبقت فی الاسلام، شوقِ علم، شوقِ جہاد، حبِ رسولؐ، جود و سخا اور سادگی ان کی کتابِ سیرت کے خاص ابواب ہیں۔ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ ان کا معمول تھا کہ صبح و شام غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔ حسن بن حکیمؒ اپنی والدہ کی زبانی روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو برزہؓ ثرید (عربوں کا ایک مرغوب کھانا) کا ایک بڑا طشت بھر کر ہر صبح شام بیواؤں

یتیموں اور مسکینوں کو کھلاتے تھے۔

حضرت ابو برزہؓ کو اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ دے رکھا تھا، لیکن وہ زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ زندگی بھر کبھی پُر تکلف لباس نہ پہنا، صرف دو گیرو دے کپڑے پہنتے تھے۔ گھوڑے کی سواری سے بھی اجتناب تھا۔ ان کے ایک ہمعصر صحابی حضرت عائذؓ بن عمرو عمدہ کپڑے بھی پہنتے تھے اور گھوڑے پر بھی سوار ہوتے تھے۔ کسی شخص نے ان دونوں بزرگوں کے درمیان پھوٹ ڈلوانے کے خیال سے حضرت عائذؓ سے کہا کہ ابو برزہؓ نے تو آپ کی مخالفت پر کمر باندھ رکھی ہے۔ آپ خز (ایک قیمتی کپڑا) استعمال کرتے ہیں اور گھوڑے پر بھی سوار ہوتے ہیں لیکن ابو برزہؓ ان دونوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ حضرت عائذؓ نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ ابو برزہؓ پر اپنی رحمت نازل کرے آج ہم میں کون ان کی ہمسری کر سکتا ہے؟" وہ شخص حضرت عائذؓ کے جواب سے مایوس ہو کر حضرت ابو برزہؓ کے پاس گیا اور ان سے کہا، دیکھئے عائذ کس ٹھاٹھ سے زندگی گزارتے ہیں، خز کا لباس پہنتے ہیں اور گھوڑے پر سواری کرتے ہیں۔ حضرت ابو برزہؓ نے جواب دیا "اللہ تعالیٰ عائذ پر رحم کرے ہم میں ان کے مرتبہ کا کون ہے؟"

حضرت ابو برزہؓ نے جنگ صفین میں بلا شبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ساتھ دیا لیکن طبعًا وہ مسلمانوں کے باہمی جھگڑوں میں حصہ لینا پسند نہیں کرتے تھے چنانچہ بعد میں انہوں نے مسلمانوں کی کسی باہمی آویزش میں کبھی حصہ نہیں لیا۔ مروان اور ابن زبیرؓ کے درمیان جو معرکہ آرائیاں ہوئیں، وہ ان سے بالکل کنارہ کش رہے اور اس چپقلش پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

رضی اللہ تعالےٰ عنہ
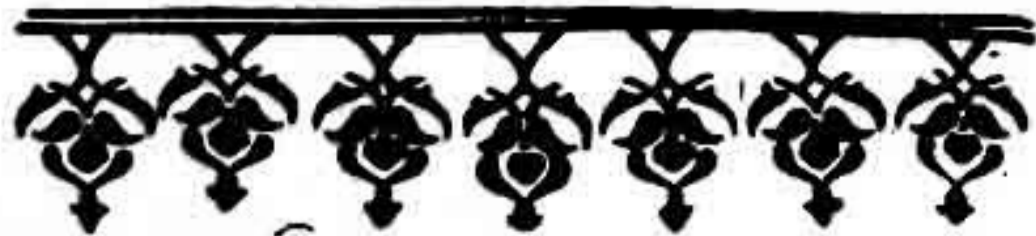
حضرت عبداللہؓ بن سہیلؓ

حضرت ابو سہیل عبداللہؓ اس نامور باپ کے فرزند تھے جو اپنی طلاقتِ لسانی اور فصیح البیانی کی بدولت خطیب قریش کے لقب سے مشہور تھے۔ ان کے زورِ خطابت کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے مجمعوں کو آناً فاناً متحرک کر دیا کرتے تھے۔ صرف خطابت ہی نہیں ان کی دانائی اور معاملہ فہمی بھی قریش کے نزدیک مسلّم تھی، یہ خطیب قریش سہیلؓ بن عمرو تھے۔ قدرت کی کرشمہ سازی دیکھئے کہ سہیلؓ اپنی دانش و حکمت اور جہاندیدگی کے باوجود فتح مکہ تک کفر و شرک کے اندھیروں میں ٹھوکریں کھاتے رہے لیکن اولاد (ذکور و اناث) ایسی سعادت مند نکلی کہ بعثتِ نبوی کے ابتدائی زمانے ہی میں شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو کر سابقون الاوّلون کی مقدس جماعت میں شامل ہو گئی۔ حضرت عبداللہؓ، سہیلؓ بن عمرو ہی کے فرزند تھے۔ ان کا تعلق قبیلہ عامر بن لوّیؓ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

عبداللہؓ بن سہیلؓ بن عمرو بن عبدِ شمس بن عبدِ ودّ بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوّیؓ۔

والدہ کا نام فاختہ بنتِ عامر (بن نوفل بن عبد مناف بن قصیّ) تھا۔

اس طرح والد اور والدہ دونوں طرف سے ان کا سلسلۂ نسب اوپر جا کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ سے مل جاتا ہے۔

حضرت عبداللہؓ نے دعوتِ حق کے ابتدائی زمانے میں اسلام قبول کیا تو ان کے والد سخت غضبناک ہوئے۔ انہیں مارا پیٹا قیدِ تنہائی میں رکھا لیکن وہ حق پر قائم رہے اس پر والد نے ان کی سرپرستی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے مشرکینِ مکہ بھی اسلام لانے کے "جرم" میں انہیں ستانے لگے۔ آخر ۶ سنہ بعد بعثت میں ـــــ وہ

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما پر مہاجرین حبش کے دوسرے قافلے میں شامل ہو کر حبش کے دارالغربت میں پہنچ گئے۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ کچھ عرصہ بعد حبش سے مکّہ واپس آگئے۔ والد اب ان پر پہلے سے بھی زیادہ سختی کرنے لگے۔ ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ایک کوٹھڑی میں قید کر دیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین نہیں چھوڑو گے اسی طرح قید و بند اور بھوک پیاس کی مصیبتیں جھیلتے رہو گے۔ حضرت عبداللہؓ نے مجبور ہو کر بظاہر باپ کا کہنا مان لیا اور رہائی حاصل کر لی لیکن دل سے وہ پکے اور سچے مسلمان ہی رہے۔

سنہ ۲ ہجری میں مشرکینِ قریش بدر کی لڑائی کے لیے مکّہ سے روانہ ہوئے تو حضرت عبداللہؓ بن سہیلؓ کو بھی اپنے لشکر میں شامل کر لیا۔ جب میدانِ بدر میں حق و باطل کے پیرو ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو حضرت عبداللہؓ شرک کا ظاہری جامہ چاک کر کے جھٹ لوائے توحید کے نیچے جا کر کھڑے ہو گئے۔ یہ دیکھ کر ان کے والد غیظ و غضب میں دانت پیسنے لگے لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

حضرت عبداللہؓ بڑی بہادری سے مشرکین کے خلاف لڑے اور یوں اصحابِ بدر میں شامل ہونے کا عظیم شرف حاصل کر لیا۔

غزوۂ بدر کے بعد حضرت عبداللہؓ نے اُحد، خندق، حدیبیہ، فتح مکّہ اور عہدِ نبوی کے دوسرے مشہور غزوات میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ بیعتِ رضوان (سنہ ۶ ہجری) میں بھی شریک تھے اور صلحنامہ حدیبیہ پر انہوں نے بھی گواہ کے طور پر اپنے دستخط ثبت کیے تھے۔

فتح مکّہ (سنہ ۸ ہجری) کے موقع پر حضرت عبداللہؓ کے والد سہیلؓ گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گئے اور حضرت عبداللہؓ کو کہلا بھیجا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے میری جاں بخشی کرا دو ورنہ میری جان کی خیر نہیں۔ حضرت عبداللہؓ کو باپ کی بے بسی پر رحم آگیا۔ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی "یا رسول اللہ میرے باپ کو امان دے دیجئے۔" حضورؐ کا دریائے کرم اس وقت جوش پر تھا آپؐ نے فرمایا "ان کو امان ہے بلا خطر گھر سے باہر نکل کر گھومیں پھریں۔" "مستدرکِ حاکم" میں ہے کہ اس کے ساتھ

ہی آپ نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ سہیلؓ سے کوئی شخص سختی سے پیش نہ آئے۔ خدا کی قسم وہ ایک دانا آدمی ہے ایسا دانشمند اسلام سے دور نہیں رہ سکتا۔ اس طرح اپنے سعادتمند فرزند کی بدولت سہیلؓ کو امان مل گئی اور ساتھ ہی انہوں نے قبولِ ایمان کا شرف حاصل کر لیا۔ اس کے بعد ان کی ساری زندگی گزشتہ اعمال کی تلافی کرنے میں گزری۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں فتنۂ ارتداد نے زور پکڑا تو حضرت عبداللہؓ بن سہیلؓ اس لشکر میں شامل ہو گئے جو حضرت خالدؓ بن ولید کی قیادت میں مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا۔ مسلمانوں اور مسیلمہ کے درمیان یمامہ کے مقام پر خونریز جنگ ہوئی۔ حضرت عبداللہؓ نے اس لڑائی میں نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے جامِ شہادت پیا۔ اس وقت ان کی عمر ۳۸ برس کی تھی۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ خلیفۃ الرسولؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے والد حضرت سہیلؓ سے تعزیت کی تو انہوں نے کہا، میں نے سنا ہے کہ شہید اپنے گھرانے کے ستر آدمیوں کی شفاعت کر سکتا ہے مجھے اُمید ہے کہ میرا شہید فرزند سب سے پہلے بارگاہِ خداوندی میں میری سفارش کرے گا۔

رضی اللہ تعالےٰ عنہ،

حضرت ابو جندل بن سہیل رضؓ

①

اصل نام عاص تھا لیکن تاریخ میں وہ اپنی کنیت ابو جندل سے مشہور ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: ——— ابو جندل عاصؓ بن سہیلؓ بن عمرو بن عبدِ شمس بن عبدِ ودّ بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئیؓ۔

حضرت ابو جندلؓ کے والد سہیلؓ بن عمرو رؤسائے قریش میں سے تھے اور اپنی طلاقتِ لسانی کی بدولت "خطیبِ قریش" کے لقب سے مشہور تھے۔ وہ اپنی فصیح و بلیغ اور زور دار تقریروں سے لوگوں میں زبردست جوش اور ولولہ پیدا کر دیا کرتے تھے۔ بدقسمتی سے ان کا سارا زورِ بیان اور ملکۂ خطابت فتح مکّہ تک اسلام کے خلاف صَرف ہوتا رہا۔ خدا کی قدرت سہیلؓ جس قدر اسلام کی مخالفت میں سرگرم تھے ان کی اولاد اسی قدر اسلام کی والہ و شیدا تھی۔ ان کی دو بیٹیاں سہلہؓ اور امِّ کلثومؓ اور دو بیٹے عبداللہؓ اور ابو جندل عاصؓ ان سعادت مند روحوں میں سے تھے جنہوں نے بعدِ بعثت کے ابتدائی زمانے میں دعوتِ حق پر لبیک کہا۔ حضرت ابو جندلؓ کو ان کے والد نے قبولِ اسلام کے "جرم" کی یہ سزا دی کہ ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر قید خانے میں ڈال دیا جہاں وہ سالہا سال تک قید و بند کی مصیبتیں جھیلتے رہے یہاں تک کہ ہادئ برحق صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے اور بدر، اُحد اور احزاب کے معرکے بھی گزر گئے۔

(۲)

ذیقعدہ سنہ ٦ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو صحابہؓ کے ہمراہ عمرہ کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کا عزم فرمایا۔ قریش کو معلوم ہوا تو انہوں نے مسلمانوں کو مکہ معظمہ میں داخل ہونے سے روکنے کا ارادہ کر لیا۔ حضورؐ نے مکہ معظمہ سے ایک منزل ادھر حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا اور قریش کو پیغام بھیجا کہ ہم صرف عمرہ ادا کرنے آئے ہیں اور لڑنا بھڑنا ہمارا مقصد نہیں ہے اس لیے بہتر یہ ہے کہ قریش کچھ مدت کے لیے ہم سے صلح کر لیں۔ اس کے جواب میں قریش نے عروہ بن مسعود ثقفی کو اپنا سفیر بنا کر حضورؐ کے پاس گفتگو کے لیے بھیجا۔ انہوں نے واپس جا کر قریش کو بتایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی ان سے دیوانہ وار محبت کرتے ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خاطر وہ اپنی جانیں کسی تامل کے بغیر قربان کر سکتے ہیں اس لیے بہتر یہی ہے کہ مسلمانوں سے صلح کر لی جائے۔ لیکن قریش نے عروہؓ کی بات نہ مانی۔ حضورؐ نے پھر ایک سفیر بھیجا لیکن قریش نے اس سے بھی بدسلوکی کی اور مسلمانوں سے لڑنے کے لیے ایک دستہ بھیج دیا۔ مسلمانوں نے اس کو پکڑ لیا لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرما دیا اور اتمامِ حجت کے لیے حضرت عثمان غنیؓ کو اپنا سفیر بنا کر قریش کے پاس بھیجا۔ قریش نے ان کو مکہ میں روک لیا۔

ادھر مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لیے اپنے ساتھ آنے والے تمام صحابۂ کرامؓ سے جاں نثاری کی بیعت لی۔ یہ بیعت تاریخ میں "بیعتِ رضوان" کہلاتی ہے کیونکہ بیعت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کی بشارت دی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر غلط تھی تاہم مسلمانوں کے جوش و خروش کی خبر پا کر مشرکینِ مکہ کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ مسلمانوں سے صلح کا معاہدہ کرنے پر تیار ہو گئے۔ ان کی طرف سے حضرت ابوجندلؓ کے والد سہیل بن عمرو شرائطِ صلح طے کرنے حدیبیہ آئے۔ حضورؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ

کو معاہدۂ صلح لکھنے کا حکم دیا۔ پہلے "رحمٰن" اور "رسول اللہ" کے الفاظ پر رد و کد ہوئی۔ یہ معاملہ طے ہوا تو پہلی شرط یہ لکھی گئی کہ مسلمان اس سال بغیر عمرہ کیے واپس چلے جائیں البتہ آئندہ سال وہ اس مقصد کے لیے آسکیں گے۔

اس کے بعد سہیلؓ نے دوسری شرط یہ پیش کی کہ اہلِ مکہ میں سے جو شخص بھاگ کر مسلمانوں کے پاس چلا جائے گا، خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو، مسلمانوں کو اسے قریش کے پاس واپس بھیجنا ہوگا اور اگر کوئی مسلمان اہلِ مکہ کے قبضے میں آجائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

مسلمانوں کو یہ شرط بڑی عجیب معلوم ہوئی اور انہوں نے بیک زبان کہا "یہ شرط قرینِ انصاف نہیں اور ہمیں منظور نہیں۔" لیکن سہیلؓ کا اصرار تھا کہ یہ شرط ضرور لکھی جائے۔ ابھی اس پر رد و قدح جاری تھی کہ ایک عجیب واقعہ رونما ہوا ــــ حضرت ابو جندلؓ کسی طرح قید خانے سے نکل کر گرتے پڑتے حدیبیہ آپہنچے۔ ان کے ٹخنوں اور پنڈلیوں سے خون رس رہا تھا، پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور وہ پکار پکار کر مسلمانوں سے فریاد کر رہے تھے:

"مسلمانو! دیکھو اسلام لانے کے جرم میں میرے والد نے میری یہ گت بنائی ہے کیا تم مجھے اس مصیبت سے نجات نہیں دلاؤ گے؟"

انہیں اس حال میں دیکھ کر مسلمانوں میں کہرام مچ گیا لیکن سہیل بپھر گئے اور کہنے لگے:

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس صلح نامے کی تکمیل اسی صورت میں ہوگی کہ پہلے اس سر پھرے کو واپس کیا جائے۔ شرائطِ صلح پورا کرنے کا یہ پہلا موقع ہے۔"

حضورؐ نے فرمایا: "بھائی یہ شرط تو ابھی لکھی بھی نہیں گئی اس لیے ابو جندل پر اس کا اطلاق کیسے ہو سکتا ہے؟"

سہیل نے جھنک کر جواب دیا۔ "کچھ بھی ہو جب تک ابو جندل کو ہمارے حوالے نہیں کیا جائے گا ہم کسی شرط پر صلح نہیں کریں گے۔"